جدوجہدوعمل۔۔۔قومی بیداری کیلئے!!!

ماہنامہ

آزاد

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

اکتوبر:2012 | شمارہ نمبر:3 | جلد نمبر:1

فہرست

اداریہ		02
یواین کے ورکنگ گروپ کا دورہ پاکستان	بجار بلوچ	03
ایک نئی بحث کا آغاز۔۔انجام خدا جانے	منظور عزت بلوچ	06
پارلیمنٹ کی مٹی میں پیوست قبضہ گیریت کی جڑیں	شبیر بلوچ	10
قائدین اور زیر قیادت لوگوں کے درمیان تعلق کا مسئلہ	ماؤزے تنگ	12
نوجوان سیاسی کارکنوں کے نام پیغام	بھگت سنگھ	13
کُرد اور بلوچ قومی تحریکیں۔۔ایک تقابلی جائزہ	جوان بلوچ	15
امید کی ایک کرن	محمد علی تالپور	18
جبری گمشدگیاں بلوچستان میں ہورہی ہیں۔۔	فیض بلوچ	20
عالمی مداخلت کا پہلا قطرہ	علی شیر بلوچ	21
سامراج کی موت۔۔دیباچہ	فرانز فینن	24
اختر پھنس گئے اپنوں میں	حفیظ حسن آبادی	29
انقلابی تقاضے اور ہم	اسلم بلوچ	31
سردار اختر مینگل کا دورہ اسلام آباد	زبادسنگر بلوچ	34
وہ دن جس کا وعدہ ہے ہم بھی دیکھیں گے	ماما قدیر بلوچ	36
الجزائر کی جہد آزادی کے گوریلا نوجوان شمس کی کہانی	ادارہ	38
اختر مینگل کی سیاسی حماقت	دی بلوچ حال کا خصوصی اداریہ	44
بلوچ تحریک آزادی اور پارلیمانی انتخابات۔۔۔پمفلٹ	ادارہ	46
آئینہِ حقائق	قائم خان بلوچ	47
اخباری بیانات	ادارہ	50

www.sagaar.org | Blog : azadmagazine.blogspot.com | E-mail : azadmagazine@gmail.com

اداریہ

اقوام متحدہ وفد بلوچستان میں اور سردار اختر مینگل پاکستانی سپریم کورٹ میں

تاریخ کے اس مرحلے پر جہاں بلوچ قوم اپنی قوت مجتمع کر چکی ہے اور پاکستان گونا گو چیلنجز میں گرا ہوا ہے پاکستان اپنی ناکامیوں کے بڑھتے ہوئے تسلسل کو روکھنے اور بلوچ قوم کی جدوجہد کو اپنے روایتی حربوں سے ختم کرنے کیلئے اپنے شب و روز ایک کر رہا ہے لیکن تحریک آزادی یہ ثابت کر چکی ہے کہ وقت اور حالات بلوچ قوم کے ساتھ ہیں جس کا اظہار قومی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے مثبت سیاسی پیش رفتوں سے ہوجاتا ہے جن سے بلوچ قومی تحریک مزید مضبوط اور فعال ہو رہی ہے۔

بلوچ قوم کی آواز جس طرح عالمی دنیا تک پہنچ رہی ہے اگر چہ اب تک دنیا کی طرف موثر جواب نہیں مل سکا لیکن سیاسی و سفارتی پیش رفتوں کے حوالے سے بلوچ تحریک نے اپنی تاریخ میں چند واضح کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے لاپتہ افراد کا دورہ اور بلوچوں سے ملاقات بھی انہی کامیابیوں میں سے ایک ہے جس کے اثرات قومی تحرک آزادی کیلئے انتہائی اہم ہیں اقوام متحدہ کے کسی بھی صورت میں بلوچستان تک رسائی سے بلوچ قوم کو اپنی آواز عالمی دنیا تک پہنچانے کیلئے ایک تاریخی موقع ملا اور انکی آواز دنیا کے دیگر مظلوم اقوام کی طرح اپنی سرحدوں سے نکل کر عالمی اداروں کی موضوع بننے میں کامیاب ہوگیا جبکہ دوسری جانب ورکنگ گروپ کے دورے نے پاکستان بھر میں ایک ہیجان کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ پاکستان جس کا مکمل وجود عالمی تعاون سے قائم ہے واضح طور پر عالمی آوازوں کا سامنا نہیں کر پا رہا اس لیئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کو نہ روک سکا لیکن پاکستان نے گروپ کی کاروائی میں مداخلت کرنے کی حتی الوسع کوششیں کی۔ پاکستانی سول سوسائٹی اور میڈیا میں بھرپور مخالفت کی گئی جبکہ چیف جسٹس کو ملاقات سے روکھا گیا۔ اگر چہ ورکنگ گروپ لاپتہ افراد کے متعلق محدود مینڈیٹ کے تحت آیا تھا لیکن بلوچ قوم نے بھرپور انداز میں اپنی آواز اقوام متحدہ تک پہنچائی ورکنگ گروپ کا دورہ عالمی سطح پر اور خاص طور پر پاکستان پر پہلے سے موجود عالمی دباو میں اضافہ کرنے کے حوالے سے انتہائی اہم پیش رفت ہے جو کہ مستقبل میں بلوچ مسئلہ پر عالمی دنیا کیلئے اپنے موقف کی تشکیل اور ٹھوس اقدامات اٹھانے اور پاکستان کی گمراہ کن موقف کے خلاف انتہائی موثر ثابت ہوگی۔ جبکہ اس سے بلوچ عوام میں ایک قوت مجتمع ہو چکی ہے جو کہ اب ان کے احتجاجوں اور مستقبل کے سیاسی عمل اور عالمی سطح ہر بلوچ مسئلے کی وکالت کیلئے جد جہد کو مزید فعال بنانے کا سبب بن رہی ہے۔ ورکنگ گروپ نے اپنے دورے کے اختتام پر ابتدائی پریس کانفرنس کی جہاں انہوں کے اپنے وسیع مشاہدے کے باوجود اپنے محدود دائرہ عمل کی وجہ سے بیشتر حقائق کا واضح اقرار نہیں کیا جبکہ پاکستانی عدلیہ سے کاروائی کی امید ظاہر کرتے ہوئے ریاستی سطح پر ہی اقدامات کرنے کی تجوز پیش کی جو کہ اپنے آپ میں متضاد ہے کیونکہ اس تمام مسئلہ میں ریاست خود ایک فریق ہے ورکنگ گروپ نے لاپتہ بلوچوں کے اعداد و شمار کو بھی حکومتی دعووں کے برعکس جھٹلانے کے بجائے انہیں کسی حد تک مانتے ہوئے انہیں مزید ٹھوس بنانے کے جانب نشاندہی کی۔

اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ اپنا دورہ مکمل کر کے واپس جا چکی ہے لیکن پاکستان جو کہ ورکنگ گروپ کے دورے سے قبل ہی اپنے تمام مہرے سنبھالے ہوئے تھا اب اپنے حربوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے سب سے اہم کارڈ زا ستعمال کر رہا ہے اور اب اختر مینگل کو میدان میں لایا گیا ہے۔ اختر مینگل کے پاکستان کے اداروں میں آکر سلامی دینے سے پاکستان دوہرے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے ایک طرف تو وہ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے اثرات کو زائل کرنا چاہتا ہے تا کہ دنیا کو باور کرایا جا سکے کہ بلوچستان میں آزادی کا رجحان عوامی رائے نہیں بلکہ صرف ایک مخصوص گروہ کی سوچ ہے جبکہ اختر مینگل جو کہ پہلے بھی وزیر اعلی رہ چکے ہیں اور بطور ایک قوم پرست لیڈر کے بھی ایک پہچان رکھتے ہیں ان کے پاکستانی اداروں میں پیش ہونے اور ان اداروں سے کاروائی کی امید رکھنے سے پاکستانی اداروں کی فعالیت کو بھی دنیا کے سامنے ثابت کی جا سکتی ہے کیونکہ ایسے اداروں کی موجودگی میں جن پر بلوچ اعتماد کرتے ہوں اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کو مداخلت کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ جبکہ دوسری جانب اختر مینگل کی واپسی اور سیاسی عمل سے اگر بلوچستان کے سیاسی میدان میں پاکستان کیلئے کوئی مثبت سیاسی پیشرفت ہوتی ہے اور بلوچستان میں الیکشن کسی بھی طرح ممکن ہوجاتے ہیں تو اس کے اثرات بلوچ تحریک پر مرتب ہو سکتے ہیں جس سے ایک طرف یہ تاثر بھی کم ہوجائیگا کہ بلوچ پاکستان کے آئین ساز اداروں پر اعتماد نہیں کرتے جبکہ دوسری جانب الیکشن نہ ہونے کی صورت میں بلوچستان ایک متنازعہ خطہ بن جائیگا جہاں پاکستانی اداروں کی کوئی عمل داری نہیں ہے۔ جبکہ کسی بھی صورت میں اگر الیکشن ممکن ہو سکے تو اس سے بلوچستان بھر میں موقع پرستوں کو ایک اور موقع مل جائیگا کہ وہ بلوچستان بھر میں سرکاری مراعات کے عوض نئے سرے سے اور شدید تر صورت میں وہی کچھ کریں جو کہ اب تک مکران میں نیشنل پارٹی کی سرپرستی میں کی جاتی رہی ہے جہاں نیشنل پارٹی آزادی پسند بلوچوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور فورسز کی موجودگی اور ان کی کاروائیوں کو جواز پیش کرنے اور بلوچوں کو اغواہ کرنے اور ان کی مسخ شدہ لاشیں پھینکنے میں پاکستانی فورسز کیلئے بطور گماشتہ کے پیش پیش ہے ۔

اب تک جس طرح مختلف چیلنجز سے نمٹتے ہوئے قومی تحریک نے ہر مرحلے پر یہ ثابت کر دیا کہ وقت اور حالات سے مطابقت رکھتے ہوئے تحریک ان تمام چیلنجز کا سامنا کر سکتا ہے۔ اس کا اظہار اس ابتدائی مخالفت سے ہو سکتا ہے جو کہ سردار اختر مینگل کو اس کے کردار کے ابتدا سے ہی سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس شدید مخالفت اور اپنی ناکامیوں کے خوف کے تحت اب انہیں محسوس ہو چکا ہے کہ اب نہ ان کے پاس وہ سیاسی ساکھ رہ گیا ہے کہ جس کے پیچھے چھپتے ہوئے وہ اب تک بلوچ قوم کے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہے تھے اور نہ ہی بلوچ عوام میں وہ بیگانگی باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے اختر مینگل جیسا شخص ایک قومی لیڈر بن گیا تھا۔ اسی ناکامی اور مخالفت کا اثر واضح ہو رہا ہے مختلف بیانات اور جوابی بیانات آرہے ہیں جن میں اختر مینگل اپنا آزمودہ نسخہ استعمال کرتے ہوئے اخبارات کے زریعے آزادی پسند رہنماوں کے خلاف جذباتی بیانات اور جھوٹے الزامات لگا کر مخالفت کو خاموش کرنے اور اپنی کھلے تضادات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی بلوچستان تک رسائی اور اختر مینگل کی شکل میں پاکستان کے گماشتہ کرداروں کا بلوچ قوم کے سامنے واضح ہونا ایک مثبت امر ہے بلوچ تحریک پر اس کے دوررس نتائج ہونگے جس سے پاکستانی گماشتے مزید برہنہ ہونگے اور بلوچ قومی تحریک مزید مضبوط ہوگی۔

یو ۔این۔ او کی ورکنگ گروپ کا دورہ پاکستان

بلوچ آزادی پسند تنظیموں کی کوششیں، کامیابیاں و کمزوریاں

بجار بلوچ

جبری گمشدگیوں سے متعلق اقوم متحدہ کے ورکنگ گروپ کی ایک وفد نے ستمبر 2012ء میں پاکستان کا دورہ کیا یہ ورکنگ گروپ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کا ذیلی ادارہ ہے جسکی بنیاد 1980ء میں رکھی گئی ہے۔ورکنگ گروپ کا وفد 09 ستمبر 2012 بروز اتوار پاکستان پہنچ گیا۔اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کی پاکستان آمد سے قبل کچھ پاکستانی حلقوں نے اس وفد کی پاکستان آمد پر بعض تحفظات کا اظہار کیا۔ پاکستان کے ان حلقوں نے حسب روایت یو این ورکنگ گروپ کی آمد کو پاکستان کو بدنام و کمزور کرنے کی سازش قرار دیا۔ان حلقوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ہوئے مسلم لیگ (ق) کے رکن قومی اسمبلی رضاء حیات ہراج نے 10 ستمبر 2012ء پیر کے دن قومی اسمبلی اجلاس کے دوران نکتہ اعتراض پر کہا کہ اقوام متحدہ کی ٹیم کا لاپتہ افراد کے حوالے سے تحقیقات کیلئے پاکستان آنا ہماری قومی سلامتی پر حملہ ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ لاپتہ افراد کے مسئلے کو بنیاد بنا کر اقوام متحدہ کے ذریعے پاکستان توڑنے کی سازش ہو رہی ہے۔اسکے علاوہ جبری لاپتہ افراد کے مقدمہ کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر افتخار محمد چوہدری نے جبری گمشدہ بلوچ فرزندوں کے بارے میں ریمارکس دیتے ہوئے ایف سی وخفیہ اداروں کو توجہ دلایا تھا کہ یو این ورکنگ گروپ جب جبری گمشدہ افراد کے لواحقین سے مل کر حقائق معلوم کریگا تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟ جبکہ مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی خرم دستگیر نے 20 ستمبر 2012ء بی بی سی اردو سروس سے بات کرتے ہوئے اپنے پارٹی کی طرف سے گمشدہ افراد سے متعلق یو این ورکنگ گروپ کی پاکستان آمد کی مخالفت کی دوسری جانب آئی ایس آئی، ایم آئی و دیگر خفیہ اداروں اور ایف سی کے ہاتھوں جبری گمشدہ بلوچ فرزندوں کے لواحقین خصوصاً آزادی پسند بلوچ حلقوں کے ردعمل سے یہ تاثر ملتا تھا کہ انہوں نے اس ورکنگ گروپ سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں ۔اب یہ کہنا مشکل ہے کہ اسکی وجہ یو این ورکنگ گروپ کی دائرہ اختیار Mandate کے بارے میں معلومات کی کمی تھی یا پھر ریاستی خفیہ عقوبت خانوں میں انسانیت سوز ایذا رسانی کے شکار اپنے عزیزوں، رشتہ داروں و دوستوں کی بازیابی کے مسئلے میں فوری پیشرفت کی خواہش اس خوش امیدی کی وجہ بنی تھی؟ ویسے بھی خونخوار وحشی دشمن کے ہاتھوں اپنے خونی وفکری رشتے داروں، عزیزوں، دوستوں وقومی فرزندوں کی بازیابی و رہائی کے بارے میں اسطرح کی مثبت خواہش، امیدیں اور کوششیں فطری امر ہیں۔یو این ورکنگ گروپ کی پاکستان آمد سے متعلق مختلف پاکستانی حلقوں کی جانب سے پھیلائی جانے والے تحفظات کو دور کرنے کی غرض سے پاکستانی وزیر خارجہ حنا ربانی کھر نے 09 ستمبر کو پاکستان قومی اسمبلی کے اجلاس میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ وفد حکومت پاکستان کی دعوت پر آرہا ہے لاپتہ افراد کے بارے میں تفتیش یا چھان بین کرنا اس ورکنگ گروپ کا مینڈیٹ نہیں بلکہ یہ ورکنگ گروپ لاپتہ افراد اور متعلقہ حکومتوں کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے (ملاحظہ ہو روزنامہ توار مستونگ و دیگر روزنامے مورخہ 10 ستمبر 2012ء) دوسری طرف قائم مقام سیکریٹری خارجہ عالم گیر بابر نے بھی وضاحتی بیان دیا کہ اقوام متحدہ کا مشن حکومت کی مرضی سے آیا ہے اور اس مشن کو تفتیش کا اختیار نہیں ہے۔20 ستمبر کو بی بی سی اردو سروس نے ورکنگ گروپ سے متعلق وزیر خارجہ حنا ربانی کھر کی اسمبلی فلور پر دیئے گئے وضاحتی بیان نشر کیا۔ورکنگ گروپ کے سربراہ نے 20 ستمبر کو اسلام آباد میں اپنے پریس کانفرنس میں بھی تصدیق کی کہ وہ ریاست کی دعوت پر آئے ہوئے ہیں۔انہوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ ان کا مینڈیٹ جبری گمشدہ افراد سے متعلق معلومات اکھٹے کرنا ہے۔ جرم ثابت کرنا یا قانونی کارروائی کی سفارش کرنا ان کا کام نہیں ہے۔آمنہ مسعود جنجوعہ نے بھی بی بی سی اردو سروس کے ساتھ بات چیت میں کہا کہ اس ورکنگ گروپ کے اختیارات کم اور محدود قسم کے ہیں۔ورکنگ گروپ کے ارکان نے اپنے دس روزہ دورے کے دوران اسلام آباد، کراچی، کوئٹہ اور پشاور کا دورہ کیا۔انہوں نے مختلف حکومتی شخصیات واہلکاروں، انسانی حقوق کی تنظیموں کے عہدیداروں، سول سوسائٹی تنظیموں وقوم دوست سیاسی جماعتوں کے نمائندوں اور جبری گمشدہ افراد میں سے بعض کے لواحقین سے ملاقاتیں کیں۔ جبری گمشدگیوں اور مسخ لاشیں پھینکنے کو اقعات سندھ اور پختون خواہ میں بھی بڑے پیمانے پر ہو رہی ہیں مگر جبری

گمشدگیوں،تشدد سے مسخ لاشوں، ہدف بنا کر مارنے اور فوجی آپریشن کے ذریعے جبری نقل مکانی پر مجبور کرنے جیسے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا شکار زیادہ تر مقبوضہ بلوچستان کے بلوچ ہی ہیں لیکن ورکنگ گروپ کے ارکان نے نہ تو بلوچستان کا تفصیلی دورہ کیا اور نہ جبری گمشدگیوں، ریاست کی مار واور پھینک دو کارروائیوں، ہدف بنا کر قتل و جبری نقل مکانی کے شکار متاثرہ خاندانوں سے ملاقات کی ۔اس کے برعکس وفد کا دورہ مختصر اور کوئٹہ کے ایک بڑے ہوٹل کی ایک چھوٹے سے کمرے تک محدود رہا جہاں انہوں نے محض ایچ آر سی پی، چند سیاسی تنظیموں اور وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں ۔مقبوضہ بلوچستان کے طول وعرض میں پھیلے متاثرہ خاندانوں کو تو چھوڑیئے کوئٹہ کے جس ہوٹل میں ورکنگ گروپ کا وفد ٹھہرا ہوا تھا اس ہوٹل کے باہر جبری گمشدہ و ہدف بنا کر قتل کیئے گئے بلوچ فرزندوں کے لواحقین کی ایک بڑی تعداد ورکنگ گروپ کے ارکان سے ملاقات کی کوششیں کرتا رہا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اقوام متحدہ کی وفد کے پاس ملاقات کیلئے نہ تو مناسب وقت تھا اور نہ مناسب جگہ۔دوسری جانب پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری ،آئی ایس آئی و دیگر متعلقہ خفیہ اداروں کے نمائندوں اور آئی جی ایف سی بلوچستان نے وفد کے ارکان کے ساتھ ملاقات سے انکار کر دیا۔

اقوم متحدہ کی ورکنگ گروپ کے وفد کا دورہ بلوچستان گو کہ محدود اور مختصر رہا مگر دورہ کے اختتام پر اسلام آباد میں انہوں نے جو پریس کانفرنس کی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مقبوضہ بلوچستان میں ہدف بنا کر قتل کے واقعات،تشدد سے مسخ لاشیں پھینکنے اور بلوچ فرزندوں کی جبری گمشدگیوں میں پاکستان کی خفیہ اداروں وایف سی اور دیگر سیکیورٹی اداروں کی ملوث ہونے کے بارے میں انھیں یقین ہو گیا ہے کیونکہ اپنے پریس کانفرنس میں وفد کے ارکان نے بتایا کہ بعض حکومتی اہلکاروں نے کہا ہے کہ بقول ان کے شدت پسندوں کے خلاف شہادتیں نہیں ملتیں جس کی وجہ سے وہ مقدمات میں بڑی آسانی سے بری ہو جاتے ہیں اسلیئے خفیہ وسیکیورٹی ایجنسیاں جبری گمشدگیوں کی پالیسی اپناتے ہیں۔وفد کے سامنے ریاستی اہلکاروں کی یہ دلیل بذات خود اعتراف جرم ہے۔ورکنگ گروپ کے ارکان نے حکومتی اہلکاروں کے اس دلیل کو جبری گمشدگیوں کیلئے درست جواز ماننے سے انکار کرتے ہوئے جبری گمشدگیوں کے عمل کو انسانیت سوز قرار دیدیا البتہ آئی ایس آئی ،ایم آئی اور ایف سی کے ہاتھوں ہدف بنا کر قتل و جبری لاپتہ کیئے جانے اور مار واور پھینک دو حکمت عملی کے تحت تشدد سے مسخ بلوچ فرزندوں کی پھینکے گئے لاشوں کی درست اعداد وشمار وفد کے سامنے پیش نہ کی جا سکیں۔ بلوچ آزادی پسند جماعتوں وتنظیموں کی تیاریوں،کوششوں وکارکردگی میں یہ عنصر ایک بڑی کمزوری کے طور پر موجود ہے ۔اس کمزوری کی کئی وجوہات ہیں جیسے کہ بلوچستان کا طویل وعریض جغرافیہ جہاں پر آمدورفت کیلئے سڑکیں ودیگر سفری سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بیشتر آبادی پھیلی ہوئی وغیر منظّم ہے۔خطہ جنگ زدہ ہے جہاں قابض پاکستانی فوج،خونخوار خفیہ ایجنسیوں اور ایف سی (کرایہ کا قاتل لشکر) کی لاقانونیت کا راج ہے۔قانونی تحفظ اور انصاف کے حصول کیلئے پاکستانی عدلیہ ودیگر اداروں پر اعتماد کا نہ ہونا بھی ایک بڑا عنصر ہے کیونکہ پاکستانی اعلیٰ عدلیہ کا کردار خفیہ ایجنسیوں وایف سی کے ساتھ اعانت جرم کا چلا آرہا ہے اسلیئے جبری گمشدگیوں ،ہدف بنا کر قتل و مسخ شدہ لاشوں سے متاثرہ بلوچ خاندان کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کا سوچتے بھی نہیں ہیں۔ بیشتر کی تو عدالتوں وذرائع ابلاغ تک رسائی نہیں ہے۔بلوچوں کا اپنا کوئی میڈیا نہیں ہے جبکہ پاکستانی ذرائع ابلاغ فوج وخفیہ ایجنسیوں کے دباؤ اور جانبداری کا شکار ہیں۔جب تک آئی جی ایف سی تصدیق نہ کرے اپنے ذرائع سے یہ بڑے بڑے واقعات کو رپورٹ نہیں کرتے۔ پاکستانی عدلیہ کا یہ حال ہے کہ شہید محمد نبی مری،شہید خان محمد مری اور لاپتہ مہران کھیازئی کی ایف سی کے ہاتھوں گرفتاری کی گواہی ڈی آئی جی کوئٹہ پولیس وٹریفک پولیس کے اہلکاروں نے سپریم کورٹ کے روبرو دیدی اور اسکی ثبوت میں ویڈیو فوٹیج بھی پیش کی،صوبائی وزیر صادق عمرانی نے اسمبلی فلور پر اپنی چشمدید گواہی بیان کی جبکہ گمشدہ علی اصغر بنگلزئی کی آئی ایس آئی کی حراست میں ہونے کی گواہی جے یو آئی (ف) کے رہنما حافظ حسین احمد نے دی مگر سپریم کورٹ نے مذکورہ مقدمات میں ملوث کسی ایک سیکیورٹی ایجنسی یا ان کے کسی اہلکار کے خلاف مقدمہ کے اندراج وکارروائی کا حکم نہیں دیا۔معروف کالم نگار حامد میر نے اپنے کالم ''گیلانی صاحب کے شکوے شکایتیں''مطبوعہ روزنامہ توار مستونگ مورخہ 28 اگست 2012ء میں سابق وزیراعظم پاکستان یوسف رضاء گیلانی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ گیلانی نے کہا کہ ''آپ انصاف کی بات کرتے ہیں مجھ پر توہین عدالت لگادی مجھے نااہل قرار دیدیا آئی جی ایف سی بلوچستان

کوسزا دیکر دکھائیں''۔سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق کے اجلاس منعقدہ 10 ستمبر 2012ء کے اجلاس میں سینیٹر رضاء ربانی نے سیکیورٹی ایجنسیز کی کارروائیوں کوسرِیلنکن ماڈل قرار دیکران کی مذمت کی۔مختصراً یہ کہ بلوچ فرزندوں کی جبری گمشدگیوں،مسخ شدہ لاشیں پھینکنے اور ہدف بنا کرقتل کے جرائم میں پاکستانی خفیہ ایجنسیزاورایف سی کا ملوث ہونا بلا شک وشبہ ثابت ہے مگراعدادوشمار میں بڑافرق ہے۔بلوچستان کا طویل وعریض،دشوارگذاروجنگ زدہ ہونا،آمدورفت وذرائع ابلاغ کی سہولتوں کا فقدان وغیرہ درست اعدادوشمارا کھٹے کرنے میں بے شک حائل بڑی رکاوٹیں ہیں یہ سب اپنی جگہ درست ہیں مگراس کام میں حائل بنیادی رکاوٹ بلوچ قومدوست وآزادی پسند جماعتوں وتنظیموں کی آپس میں عدم روابط وعدم تعاون وتنظیمی تنگ نظری بھی ہے۔مقبوضہ بلوچستان میں ایسی کوئی بھی پارٹی وتنظیم نہیں ہے جس کا اثرورسوخ وتنظیمی ڈھانچہ پورے بلوچستان میں موجود ہواسلیئے جبری گمشدہ وہدف بنا کرقتل کیئے جانے والے بلوچ فرزندوں یامارواور پھینک دوحکمت عملی کے تحت پھینکے گئے لاشوں کی درست تعدادکسی ایک بلوچ جماعت یاتنظیم کے پاس نہیں ہے۔اس کے علاوہ تنظیمی تنگ نظری بھی اس کی ایک بڑی وجہ ہے۔آزادی پسند تنظیمیں بھی زیادہ ترمحض ان گمشدگیوں وشہادتوں کورپورٹ کرتے ہیں جن میں کسی جماعت کا کارکن نشانہ بنایاجاتاہے جبری گمشدگیوں وہدف بنا کرقتل کرنے کے متعددواقعات راقم کے ذاتی علم میں ہیں جن میں ظلم کا شکاربننے والوں کا کسی جماعت سے تعلق نہیں تھا اسلیئے ن ریاستی مظالم پرکسی تنظیم نے نہ کوئی احتجاج کی اورنہ وہ واقعات ان کے مرتب کردہ اعدادوشمار میں کہیں نظرآتے ہیں مثال کے طور پر اپنے ذاتی دشمنی کی بنیاد پرآئی ایس آئی کے معروف ایجنٹ برکت محمد حسنی نے جولائی 2010ء میں ایف سی کے ہاتھوں مشکے سے پانچ افرادکوگرفتارکروایا جن میں کریم ولددین محمد محمد حسنی،دادشاہ ولد شاہو،نذرولداختر،حاصل ولدغلام نبی ایک اورنامعلوم شخص شامل ہے۔یہ پانچوں افرادتاحال لاپتہ ہیں۔اسی طرح غالباً ستمبر 2010ء میں آئی ایس آئی کی تشکیل دی ہوئی ڈیتھ اسکواڈ مسلح دفاع آرمی کے دہشت گردوں نے خضدارریڈیواسٹیشن کے ملازم عبدالحق عمرانی کوہدف بنا کرشہید کیامگراس کا ذکرکسی تنظیم کی مرتب کردہ فہرست میں نہیں ملتا اسکےمعصوم بچے کسی جماعت سے ہمدردی ومالی مدد کےطلب گارشایدنہ ہوں لیکن وہ اپنے والد کےقتل پر بلوچ قومی تنظیموں کی خاموشی کو قاتلوں کوبخش دینے کے مترادف سمجھیں گے۔اکتوبر2010ء میں پاکستانی فوج نے مشکے پرحملہ کیا پہاڑوں ، دیہاتوں وشہروں میں متعددگھروں و دکانوں کولوٹ کرنظرآتش کردیااورکئی افرادکوگرفتارکرکے ساتھ لے گئے جن میں سے کچھ کوبعدمیں چھوڑدیاجبکہ گرفتار امیربخش ولد ہیبت ساکن پروار مشکے اورعمررسیدہ بشیرساکن میانی کلات مشکے تاحال لاپتہ ہیں۔غالباً اکتوبر 2010ء میں حب ٹاؤن سے سردارزادہ علی حیدرمحمد حسنی اوراس کے ساتھیوں کو پاکستانی خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے حراست میں لے لیا۔میرعلی حیدر کوکچھ گھنٹے بعدچھوڑدیاگیا اسکے باقی ساتھیوں میں سے غلام حسین کوشہید کرکے اسکی مسخ لاش پھینک دی اورکچھ کوچندمہینوں بعدرہا کیا گیا جبکہ اسکے ساتھ گرفتارمیرخالدولدپیرمحمدعرف پیرک اورنصراللہ ولداکبر ساکنان مشکے تاحال لاپتہ ہیں۔اگست 2012ء میں مشکے پروار سے ایف سی نے اعظم ولدعبدالرحیم اورخیربخش ولدجان محمدکوگرفتارکیاجوابھی تک بازیاب نہ ہوئے۔ایسے بےشمارواقعا ت ہونگے جوکسی بلوچ قوم دوست پارٹی کی گمشدیوں سے متعلق رپورٹ میں شامل نہیں ہوتے اسلیئے گمشدہ بلوچ فرزندوں کی حقیقی تعداد پورے کوائف کے ساتھ کسی بلوچ جماعت کے پاس نہیں ہیں جسکی وجہ سے دشمن کواس بارے میں ابہام پیدا کرنے کا موقع ملتاہے۔اس کمزوری پرقابو پانے کیلئے آزادی پسند بلوچ قومی جماعتوں وتنظیموں یعنی بی این ایم،بی آر پی،بی ایس اوآزاد، بی این وی، بلوچ بار،وائس فاربلوچ مسنگ پرسنز وغیرہ کے درمیان قریبی روابط،تعاون ،معلومات کا باہمی تبادلہ اورتنظیمی تنگ نظری سے بالاتر ہوکرکام کرنا ضروری ہے

ہم بجاطور پرکہہ سکتے ہیں کہ جبری گمشدگیوں سے متعلق اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے اختیارات محدود ہی سہی مگران کے اس دورے سے بلوچ قومی تحریک آزادی کوضرورفائدہ ہوگا کیونکہ یہ پہلاموقع ہے کہ اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی ادارے نے اس حساس انسانی مسلے کاسنجیدہ نوٹس لیا ہے۔ورکنگ گروپ کی رپورٹ پاکستانی فوج وخفیہ اداروں کی انسانیت سوز بلوچ نسل کش کارروائیوں اورریاستی دہشت گردی کوبےنقاب کرنے میں معاون ثابت ہوگا جس سے بین الاقوامی رائے عامہ کو بلوچ قومی تحریک آزادی کے حق میں ہموارومتحرک کرنے میں آسانی ہوگا۔

ایک نئی بحث کا آغاز انجام خدا جانے..!

منظور عزت بلوچ

پاکستان کے دس روزہ دورے پر آئے ہوئے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے اپنی ابتدائی رپورٹ جاری کردی، جس میں ابتدائی طور پر پاکستان میں رونما ہونے والے جن غیر انسانی وغیر قانونی واقعات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے ان میں سر فہرست پاکستان میں جبری طور پر لاپتہ ہونے والے افراد کا وہ عظیم انسانی پیدا ہونے والا بحران ہے جس نے پاکستان میں انسانی حقوق کی وسیع پیمانے پر خلاف ورزی سے متعلق پوری عالم انسانیت کو شدید تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ اسی عالمی تشویش کا نتیجہ تھا جس نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ورکنگ گروپ کو پاکستان کے دس روزہ تشویشی دورہ پر آمادہ کیا اور پاکستانی حکمرانوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ کو خوش آمدید کہنا پڑا۔ اپنا دس روزہ دورہ مکمل کرنے کے بعد پاکستان ہی کے اندر اپنی ابتدائی تشویشی رپورٹ جاری کیا ۔آیئے ہم اس ابتدائی رپورٹ پر ایک غیر جانبدار نظر ڈال کر یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ پاکستان میں جبری طور پر لاپتہ ہونے والے انسانوں اور بلوچوں کیلئے اس ابتدائی رپورٹ کے اندر کیا امید اور نوید موجود ہے۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کی اس ابتدائی رپورٹ کے ابتداء میں چند باتوں کی وضاحت کی جن کی وضاحت اس ابتدائی رپورٹ سے بھی زیادہ لازمی تھی، میرے نزدیک اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ کی میڈیا کے سامنے آنے اور ابتدائی رپورٹ پیش کرنے کی اجازت اس لئے دی گئی کہ وہ جاتے جاتے میڈیا کے سامنے اپنی زبان سے ان باتوں کو اظہار کریں۔ مثلا اقوام متحدہ کی اس ورکنگ گروپ کے آمد سے پہلے اور اور بعد میں پاکستانی حکومت نے میڈیا کے توسط سے وضاحت کی کہ یہ ٹیم پاکستان حکومت کی دعوت پر پاکستان کا دورہ کررہی ہے۔ اور اس بات کی وضاحت اور تصدیق اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ نے میڈیا کے سامنے پیش کی کہ ''ہم یہاں حکومت پاکستان کی دعوت پر آئے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارے پاس تحقیقات کرنے کی اختیار موجود نہیں، ہمارا کام یہ دیکھنا ہے کہ حکومت پاکستان اقوام متحدہ کی اعلامیہ برائے انسانی حقوق کی پاسداری کررہی ہے یا نہیں، اور ہم نے لاپتہ افراد کے لواحقین اور حکومت پاکستان کے درمیان ''پل'' کا کردار ادا کیا ہے''۔ ظاہر ہے کہ کوئی میرے گھر میں، میری دعوت اور خواہش پہ آئے اور ہم سے کھائے اور ہم سے پی بھی لے۔۔ یہ تو ممکن نہیں کہ وہ کچھ یوں ہو جائے کہ

پارساؤں نے بڑے ظرف کا اظہار کیا
ہم سے پی اور ہمیں رسوا سرے بازار کیا

شاید ان پارساؤں نے یہ کہتے ہوئے کہ ''لاپتہ افراد کی بازیابی کیلئے حکومت پاکستان کی کوششوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔'' بڑے ظرف کا اظہا ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ ''ہم نے پاکستان کا تفصیلی دورہ کیا'' اس غیر جانبدار ''ورکنگ گروپ نے تو گویا جانبداری کی ایک ایسی لازوال مثال قائم کردی کہ مثالوں کی تاریخ میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یعنی ''ان سے پی اور خود کو رسوا سرے بازار کیا۔ ارے نادانو۔ انہیں پہچانو یہ ہیں کون۔۔۔۔؟ البتہ ایک بات جو میرے نزدیک اس پورے صورتحال کو کسی حد تک سنجیدگی عطا کردیتی ہے۔ وہ ہے وفد کی جانب سے حکومت پاکستان کو خبردار کرنا کہ حکومت پاکستان کو لاپتہ ہونے والے افراد کے معاملے پر اب ''زیرو ٹالرینس'' پالیسی اپنانی ہوگی، چاہیے اس غیر انسانی عمل میں پاکستانی سیکورٹی فورسز اور خفیہ ادارے شامل ہوں یا پھر کوئی اور بنیادی طور پر چونکہ ذمہ داری ریاست ہی کی بنتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو تحفظ فراہم کرے۔ گویا بلوچستان اور باقی پاکستانی صوبوں کی سرسری پیش ہونے والی حقائق اس قدر دل دہلا دینے والے تھے کہ اقوام متحدہ کی ٹیم انہی ابتدائی شواہد کو دیکھ کر مستقبل میں پاکستان کے لئے پیدا ہونے والے مشکلات کا اندازہ کرنے لگے کہ اب اگر پاکستان کے اندر ایک بھی ایسا واقعہ رونما ہوا اور خاص طور پر بلوچستان کے حوالے سے تو یوں سمجھ لیجئے کہ پاکستان کے سیکورٹی فورسز اور خفیہ ادارے پاکستان کے گلے میں بلوچستان کا پھندہ ڈال کر بلوچ نسل کشی کے بجائے خودکشی کے راستے پہ گامزن ہیں۔ اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب کچھ یوں بنتا ہے کہ انسانی حقوق کے اقوام متحدہ کی اعلامیہ کے عالمی اصولوں کی پاسداری کے اعتبار سے پاکستان بطور ریاست اس مقام پر کھڑی ہے کہ لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشوں کا ایک بھی اضافی واقعہ پاکستان کو عالمی تناظر میں ایک مکمل ناکام ریاست قرار دینے کیلئے کافی قرار پائے

گی۔شاید یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کی اس ورکنگ گروپ نے حکومت پاکستان کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ''پاکستانی حکمران لاپتہ افراد سے متعلق اس عالمی معاملہ پر بلی کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھ بند کرنے کے بجائے ''عدم برداشت'' کا پالیسی اپنائے۔یہی ''عدم برداشت'' یا ''زیروٹالرینس'' کا وہ واحد نقطہ ہے،جس کو دیکھ کر سوچا جاسکتا ہے کہ اگر پاکستانی خفیہ اداروں اور سیکورٹی فورسز کی جانب سے عالمی سطح کے نوعیت کی انسانی بحران پر قابو نہ پایا گیا تو ممکن ہے کہ پاکستان کے خلاف افغان جنگ کے تناظر میں مجبوری کے تحت جبری طور پر بنائے گے رشتے ناطے ایک نئی صورت حال کے تحت ریت کی دیوار ثابت ہوجائیں اور خصوصی اعتبار سے بلوچستان کا دھکتا ہوا آتش فشان بچا کچا پاکستان کو بلوچستان میں خشک جنگل کی طرح نگل جائے۔لیکن ہم پاکستانی مقتدر قوتوں کی بلوچ قوم سے متعلق دوہرے مزاج ونفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں،کہ پاکستانی سیکورٹی فورسز،اور خفیہ ادارے،بیوروکریسی بلوچ قوم سے متعلق کسی بھی قسم کی عالمی وعلاقائی،پالیسی کو اپنانے کے بجائے اپنی انہی پالیسوں پر گامزن رہنے کو زیادہ ترجیح دینگے جن کے تحت بلوچ قومی،سیاسی اور سماجی نسل کشی کا تسلسل جاری رہ سکے۔کیونکہ وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ نہ پاکستان کی سطح پر اور نا ہی عالمی سطح پر ایسی کوئی قانون وانصاف کے ادارے موجود ہیں،جن کے ہاتھ اتنے لمبے ہوں کہ وہ ان کو انصاف کے کٹہرے میں لاسکے۔پاکستان کی پوری تاریخ میں ایک بھی ایسی کوئی مثال موجود نہیں جس کو سامنے رکھ کر ہم یہ امید رکھ سکیں کہ عالمی دباؤ کے تحت پاکستان ایک سکیورٹی اسٹیٹ سے ایک ویلفیئر اسٹیٹ میں تبدیل ہوجائے گا۔کیونکہ انہی عالمی قوتوں کی خواہش اور مفادات کے مطابق پاکستان کی خارجہ پالیسی تشکیل پاتی ہے۔جیسا کہ نام نہاد پاکستانی پارلیمنٹ کی سلامتی کمیٹی نے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے دورہ پاکستان اور لاپتہ افراد کے حوالے سے اپنے شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اقوام متحدہ کی ٹیم کو دورہ پاکستان کی دعوت کس نے دی تھی،جس سے یہ بات سامنے لائی گئی کہ یہ دعوت وزرات خارجہ کی جانب سے دی گئی تھی تاکہ عالمی سطح پر پاکستان میں ہونے والے انسانی حقوق خلاف ورزیوں کی پروپگنڈہ کی توڑ پیدا کیا جاسکے۔اب یہ بات سب پر عیاں ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستانی نام نہاد جمہوریت اور پارلیمنٹ کے بجائے پاکستان کے فوجی نصاب کے مطابق مرتب کی جاتی ہے،شاید یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے دورہ پاکستان کے حوالے سے تمام سول اداروں کے ساتھ خود چیف جسٹس پاکستان کو بھی اس حیرت کا اظہار کرنا پڑا کہ اقوام متحدہ کی ٹیم کو دورہ پاکستان کی دعوت کس نے دی تھی اور اس کے پوشیدہ اور ظاہری مقاصد کیا تھے،یہاں تک کہ پاکستانی پارلیمنٹ کی سلامتی کمیٹی کو اس سوال کے تناظر میں ہنگامی طور پر ایک اجلاس طلب کرکے اس کی جواب تک پہنچنا پڑا۔ان تمام باتوں کے ساتھ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بلوچ آزادی کی تحریک نے نہ صرف یہ کہ عالمی ضمیر کو جھنجھوڑ دیا ہے بلکہ خود پاکستانی سول اور فوجی بیوروکریسی کو بھی ذہنی طور پر دو واضح حصوں میں تقسیم کرکے اس غیر فطری ریاست کو نفسیاتی طور پر شکست فاش سے دوچار کردیا ہے۔اس پوری صورت حال کو اگر دوسرے لفظوں میں بیان کیا جائے تو کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان اگر باقی ریاستوں کے مقابلے میں ایک ریاست ہونے کی تقاضوں کو پورا کرکے عالمی طور پر ایک ریاست ہونے کی سند اگرچہ حاصل کرتی ہے،لیکن یہ ایک عالمی سچائی ہے کہ پاکستان ایک فوجی ریاست یعنی ایک ''سکیورٹی اسٹیٹ'' ہے۔اور ایک سکیورٹی اسٹیٹ کیلئے جنگ ایک بہت ہی فائدہ مند عمل ہے۔اس کے برعکس ایک ویلفیئر اسٹیٹ یا ایک فلاحی ریاست ہونے کی صورت میں 'امن' ایک منافع بخش کاروبار۔لہذا اس پوری صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں سمجھنا ہوگا کہ دہشت گردی کے خلاف ریاستی دہشت گردی کی یہ نئی حکمت عملی پاکستانی عسکری قیادت کیلئے طاقت کی مشق کے ساتھ ساتھ دفاعی اعتبار میں ایک منافع بخش موسم ہے۔ماضی میں سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد کے نام پر امریکہ کی جنگ میں فرنٹ لائن میں رہنے کی وجہ سے امریکہ کی جانب سے دفاعی امداد کی شکل میں امریکی ڈالروں،جنگی سازوسامانوں کے منافع کے علاوہ پاکستان کو ایٹمی قوت بننے کیلئے جنگ نے ایک خوشگوار اور سازگار ماحول فراہم کیا۔اب وہی جنگ اب ایک نئی جنگی اصطلاح کے ساتھ پاکستان کی دفاعی قوت کے میں اضافہ کیلئے ایک اور نادر موقع ہے۔اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ امریکہ اور دیگر یورپی سرمایہ دار ممالک اور عسکری قوت اور سکیورٹی اسٹیٹ محکوم اقوام کی ساحل اور وسائل پر قبضہ کرنے کیلئے پاکستان جیسے سکیورٹی اسٹیٹ کو دفاعی اعتبار سے اس قدر مضبوط اور طاقت ور دیکھنا چاہتے ہیں ،تاکہ نیو کالونیل ازم کے تحت مظلوم اور محکوم اقوام کو فوجی قوت کے ذریعے دبانے،غلام رکھنے،انسانی بنیادی حقوق سے محروم رکھنے اور ان کی وسائل کو لوٹنے کا

عمل جدید نوآبادیاتی بنیادوں پر یوں استوار کیا جاسکے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی سلامت رہے۔آج اسی فوجی لاٹھی سے بلوچستان میں بلوچ قومی شعور کو سانپ کی طرح کچلا جارہا ہے۔جس طرح کل بنگلہ دیش میں بنگالا قومی شعور کو کچلا گیا تھا۔عمل اور ردعمل کے طور پر کل جو نتیجہ بنگالی قوم کیلئے نکلا تھا،آج وہی نتیجہ بلوچ قوم کیلئے بھی نکلے گا۔کیونکہ کل بھی یہی ہاتھ تھے،لاٹھی بھی یہی تھا،عالمی سرمایہ دار سکیورٹی اسٹیٹ بھی یہی تھے،اقوام متحدہ بھی یہی تھا،انسان اور انسانی حقوق بھی یہی تھا،صرف قیادت اور وقت میں فرق ہے۔نسل البتہ اپنی تمام اچھی اور بری

کا سینہ تھان کر کھڑے ہونا ''عظیم قربانی ہے''اور جان بچا کر بھاگنا عظیم بزدلی ہے۔شاید اس لئے کہ جس کے ہاتھ میں توپ ہے مشین گن ہے،وہ مظلوم اور محکوم نہیں۔بلکہ ظالم اور حاکم ہے۔بندوق اگر مظلوم کے ہاتھ ہو تو پھر ظالم کا بندوق کے سامنے خالی ہاتھ اور نہتے کھڑا رہنا ''عظیم قربانی کے بجائے عظیم بیوقوفی ہے'' اور جان بچا کر بھاگنا ایک فوجی اور جنگی ''حکمت عملی'' مظلوموں پر یہ لازم ہے کہ وہ ہر قیمت پر اپنی جان دے دیں ظلم،جبر اور بربریت کی تشریح بھی یہی ہے۔کیونکہ انصاف کی تعریف ہرگز یہ نہیں کہ ظالم کو مظلوم کے پیٹھ پر کوڑے برسانے کا قانونی

> طاقتور کی خواہش کا احترام کمزور کیلئے قانون ہے،اور قانون طاقتور کی خواہش۔اس لئے کمزوروں کا مسئلہ طاقت سے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں،اور اس محرومی کو کمزور طاقتور کے خلاف آپس میں اتحاد کر کے حاصل کر سکتے ہیں،ایسا کرتے ہوئے مظلوم قومی اعتبار سے غلامی کو خلاف قانون قرار دیکر اپنی آزادی کی خواہش کو قانون کی شکل عطا کر دیں گے۔

خصلتوں کے ساتھ آج بھی وہی ہیں۔کیا بنگلہ دیش میں ہونے والی شدید ترین انسانی حقوق کی تحقیقاتی رپورٹ تحقیقات کے باوجود آج تک سامنے آئی۔۔؟عالمی عدالت میں پاکستان کی فوجی قیادت کو طلب کر کے لاکھوں انسانوں کی قتل عام،اجتماعی زیادتیوں کے شکار بنگالی عورتوں کے ساتھ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق نے کوئی رپورٹ پیش کی۔؟شاید کسی نے سچ کہا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔جنگ کا کوئی اصول نہیں ہوتا،اور محبت کسی قانون کے تحت نہیں کی جاتی ہے۔مگر معلوم نہیں کہ محکوم اور مظلوم قوام پر عالمی طور پر یہ کیوں لازمی ہے کہ وہ جینوا کنونشن اور اقوام متحدہ جہاں ایک بھی مظلوم نمائندہ ریاست اس اتحاد کا حصہ نہیں، کے جنگی اصولوں کی پاسداری کریں۔ایسا کیوں ہے۔؟ شاید اس لئے کہ عالمی طور پر قانون اور اصول بنانے اور وضع کرنے کے اس پورے عمل میں ہمیں مظلوم اقوام کی نمائندگی کہیں بھی نظر نہیں آتا۔وہ اس لئے کہ جنگ چاہے دو افراد کے درمیان ہو یا دو اقوام کے،اس کا تو بس ایک ہی اصول ہے کہ ''جنگ مر کر نہیں مار کی جیت لیا جاتا ہے،جو مرتا ہے وہی ہارتا ہے'' اسی لئے عالمی طور پر اپنی قومی بقاء اور وسائل کی تحفظ کے تناظر میں مظلوموں پر لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ جنگ میں اپنی جان دیں،قربان ہو جائیں،کیونکہ قربانی کے بغیر آزادی ممکن نہیں۔کسی نے آج تک یہ سوچا تک نہیں کہ ''قربانی صرف مرنے کا نام نہیں مارنا بھی ایک قربانی ہے''۔ٹینکوں،توپوں اور مشین گنوں کے سامنے نہتے مظلوموں

حق حاصل ہو اور مظلوم کو سر جھکا کر انسانیت سوز مظالم کو خندہ پیشانی سے سہنے کا سند عطا ہو۔تشدد کی تعریف اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ مظلوموں کو اپنے قانون اور اصولوں کے مطابق لڑنے کا بھی حق نہیں۔دوہریت کی تشریح اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ ظالموں کا اقوام متحدہ بن سکتا ہے مگر دنیا کے مظلوموں کے پاس یہ حق نہیں کہ وہ ایک اقوام متحدہ تشکیل دے کر ظلم و بربریت کو آشکار کریں۔یہ دوہرا معیار زندگی فطری تو نہیں۔نہ مظلوم ہونا فطری عمل ہے اور نا ہی ظالم ہونا۔آج مظلوموں کے پاس جو تصور آزادی موجود ہے وہ انہی ظالموں کی لغت اختراع تو ہے۔کیونکہ آزادی کی قیمت اگر مظلوم کی زندگی ہے تو آزادی کی تشریح وہی ہے جسے ایک مظلوم جان کی قربانی دیتے وقت فرض کی طرح ادا کرتا ہے کیونکہ ظالم کی سطح پر آزادی کی تصور یہ ہے کہ اگر ظالم اور مظلوم میں سے کسی ایک کو زندہ رہنا پڑا تو مظلوم پر لازم ہے کہ وہ مرجائے اور ظالم زندہ رہے۔پوری انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی تعمیر و ترقی اور اس کی تشریح کیلئے دنیا کے مظلوموں نے تو اس پوری زمین کے ایک ایک انچ کو اپنی خون سے دھو دیا ہے۔مگر یہ دنیا اب بھی ظالموں کے قبضہ میں ہے۔مظلوم اس دنیا کی ہر ایک نعمت سے محروم ہیں۔وہ اس لئے کہ قانون ظالم بناتے ہیں حتی کہ ذیلی ظالموں کو بھی قانون بنانے کا حق نہیں،یہ حق تو صرف اس کے پاس ہے جو فرض کی ادائیگی سے مبرا ہیں۔سگمنڈ فرائیڈ جنگ کے عنوان پر آئن اسٹائن کے جانب سے لکھے گئے خط کا جواب دیتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ ''طاقتور کی خواہش کا احترام کمزور کیلئے قانون ہے،اور قانون طاقتور کی خواہش۔اس لئے کمزوروں کا مسئلہ طاقت سے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں،اوراس محرومی کو کمزور طاقتور کے خلاف آپس میں اتحاد کر کے حاصل کر سکتے ہیں،ایسا کرتے ہوئے مظلوم قومی اعتبار سے غلامی کو خلاف قانون قرار دیکر اپنی آزادی کی خواہش کو قانون کی شکل عطا کر دیں گے۔آج بلوچ قومی آزادی کے سوال کو سامنے رکھ کر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ آزادی پسند قوتیں جو قومی آزادی کی خواہش سے سرشار ہیں بلاشبہ وہ فرائیڈ کی اسی اصول کی پاسداری کے راہ پہ گامزن ہیں جس کے تحت وہ بلوچ قومی کمزوری کو طاقت میں تبدیل کرنے کی سمت گامزن ہیں اوران کا راستہ روکنے کیلئے پاکستانی فوج اوراس کے خفیہ ادارے اپنے علاقائی،عالمی اور مقامی حواریوں کے ساتھ بلوچ باشعور سیاسی کارکنوں کو بنگلہ دیش میں ''آپریشن سرچ لائٹ'' کے طرز پر جس کے تحت نوسو ننانوے بنگالی دانشوروں،ادیبوں،مصنفوں،شاعروں،پروفیسروں اور قلم کاروں کو مار کر پھینک دیا گیا آج اسی طرز پر بلوچستان میں ''آپریشن ڈمپ اینڈ ڈسٹرائے'' کے تحت بلوچ سیاسی،کارکنوں،دانشوروں،مصنفوں،ادیبوں،شاعر اور قلم کاروں کی مسخ شدہ لاشوں کو پھینکا جارہا ہے۔اس غیر انسانی طرز عمل کے خلاف بلوچ آزادی پسند قوتوں نے ہر فورم پر آواز بلند کی،عالمی انسانی حقوق اور اسی ظالموں کی اتحاد ''اقوام متحدہ،اور عالمی امن فورسز سے فوری مدد اور مداخلت کی اپیل کی،خود اس غیر فطری ''فوجی ریاست'' کے سپریم کورٹ کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا،اس وقت بلوچستان میں پیدا ہونے والا یہ انسانی بحران اپنی ابتدائی مرحلے میں تھا اور لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشوں کی تعداد اتنی نہیں تھی،اس وقت ہم نے دیکھا کہ کسی طرف سے بھی بلوچ مظلوم اور محکوموں کی بات سنی نہیں گئی،اب جب کہ بلوچ لاپتہ افراد کی اور مسخ شدہ لاشوں کے ساتھ ساتھ انہی لاپتہ اور مسخ شدہ لاشوں کے لواحقین کی احتجاج کو بھی ہزاروں دن بیت چکے ہیں،اب انسانی حقوق کی سوئی ہوئی ضمیر جھاگ چکی ہے،اب اقوام متحدہ خواب غفلت سے بیدار ہوئی ہے اور اب پاکستانی سپریم کورٹ نے آخری کرن کا روپ اختیار کر لیا ہے۔اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ بلوچ قومی آزادی کی تحریک اس مقام اور منزلیت پہ عائد ہو چکی ہے اور اس میں وہ طاقت اور قوت آچکی ہے کہ قومی اعتبار سے وہ سگمنڈ فرائیڈ کے وضع کردہ اصول طاقت کو حاصل کر چکی ہے،جس کے تحت وہ بلوچ قومی آزادی کو ایک قانون قرار دے سکتا ہے۔لہذا اب وہ تمام ہمدردیاں جو مقامی،علاقائی اور عالمی سطح پر بظاہر ہمیں نظر آرہی ہیں ان کے پس منظر میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ بطور ایک مظلوم قوم،بلوچ قومی آزادی کی حاصل کردہ قومی تائیدی توانائی اور طاقت کو کس طرح قابو کیا جاسکے کہ تاکہ وہ غلامی کی زنجیروں سے کسی بھی طرح چھٹکارہ حاصل نہ کر سکیں۔مگر اب وقت کا پہیہ گھوم چکا ہے،تمام سازشیں ناکام ہو چکی ہیں،کیونکہ جدید سائنسی شعور سے لیس بلوچ قومی تحریک آزادی کے پرخلوص اور جانباز سپاہیوں اور محافظوں نے تاریخ میں ایک بار پھر ظالموں کی طے کردہ اصولوں کو اپنے جانوں کے نذرانوں سے شکست فاش سے دوچار کر دیا ہے۔لیکن یہی وہ نازک مقام ہے جہاں بلوچ قومی آزادی کی تحریک کو ایک بار پھر اس پورے صورتحال کا جائزہ انتہائی باریک بینی سے لینا ہوگا،کیونکہ اپنے تمام ظالمانہ اور غیر انسانی طرز عمل کو آزمانے کے بعد وہ ردانقلابی قوتیں ایک نئی حکمت عملی کے تحت میدان میں اتر چکے ہیں،اوران کی شکل اب ظالمانہ نہیں بلکہ مظلومانہ ہے۔یہ اپنی جھوٹی سخاوت کے ساتھ خود پر حقیقت کے قریب ترین ایک ایسی خول چڑھا چکے ہیں کہ ان کو عام نظر سے دیکھنا اور سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔اس لئے اس نئی حکمت عملی کے مقابلے کیلئے آپ نے خود کو تیار کرنا ہوگا۔اس پورے صورتحال کی ابتدائی آثار سے یہی لگتا ہے کہ اس سازش کی بنیادی کوشش اور خواہش یہ ہوگی کہ وہ کسی بھی طرح ایک موضوع کے طور پر جتنی جلدی ممکن ہو سکے ایک عوامی بحث کی شکل میں پورے بلوچ قوم کے مزاج کا حصہ بن جائے۔اور یہ اس قدر حساس ہے کہ اگر اس نئی حکمت عملی کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو بھی یہ انہی ردانقلابی قوتوں کے حق ہی میں چلا جائے گا۔کیونکہ جس طرح پاکستانی میڈیا پر اس وقت بلوچ قومی صورتحال پر ایک ڈیزائن کردہ حکمت عملی کے تحت مذاکروں،مباحثوں کی ایک نئی دور کا آغاز کیا جارہا ہے اور اس پورے عمل سے یہ بات صاف طور پر دیکھائی دیتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ بلوچ آزادی پسند قوتیں اس بحث کے اندر پھر پور انداز میں شریک کار ہوں۔چاہے وہ پاکستانی فوج،خفیہ اداروں اور سکیورٹی فورسز اور ردانقلابی بلوچ اور غیر بلوچ سیاسی قوتوں پر سخت ترین الفاظ میں تنقید ہی کیوں نہ کرلیں حکمت عملی تو بس یہی ہے کہ ''الیکشن'' سے پہلے ایک نئی بحث کا آغاز کیا جائے۔!

استعمار کی شکست کبھی خاموشی سے عمل میں نہیں آتی ہے تشدد کا خاتمہ تشدد سے ہی ممکن ہے۔۔فرانز فینن

پارلیمنٹ کی مٹی میں پیوست قبضہ گیریت کی جڑیں

شبیر بلوچ

فریرے نے کیا خوب کہا کہ پسا ہوا انسان آزادی سے اسلئے ڈرتا ہے خوفزدہ ہوتا ہے کہ وہ جابر کے عکس کو ذہن میں بٹھا لیتا ہے وہ اسکے سارے رہنما اصولوں کو اپنالیتا ہے۔آزادی کوئی ایسا مثالی نمونہ نہیں جو انسان کے باہر واقعہ ہے اور ایسا ہی تصور خود خیال حصہ کہانی کی شکل میں ہے بلکہ ناگزیر شرط ہے۔ جبر کے حالات پر غالب آنے کے لئے انسانوں کو سب سے پہلے تنقیدی طور پر ان کی وجوہات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے تاکہ تبدیلی کے عمل کے ذریعے وہ نئے حالات تخلیق کر کے انسانوں کو غلامی جبر استحصال سے نجات دلاسکیں اور اسکے لیئے سچی ایماندارانہ بلاخوف وخطر قومی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے اور یہی جدوجہد قوم کو آزادی کی معراج تک پہنچانے کا سبب بنتی ہے لیکن اس دوران کچھ کنفیوز مبہم نام نہاد قوم پرست آزادی کی جدوجہد شروع کرنے یا جدوجہد میں حصہ لینے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوئے اپنے مفادات عیش وعشرت کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے کیونکہ آزادی پیدائش کی طرح تکلیف دہ اور تکلیف سے بھرپور عمل ہے لیکن حقیقی قوم پرست انقلابی تکالیف، مشکلات ومصائب حقیقت کی پرواہ کیے بغیر جدوجہد کو شروع کرتے ہوئے انقلاب برپا کرتے ہیں۔ یعنی بلوچستان میں حقیقی maverik انقلابیوں نے کنفیوژن، دھوکہ بازی قابض کے پروپیگنڈے کے بادلوں کو ہٹا کر، چیر کر، حقیقت راست بازی ،حقیقی انقلاب کی راہ ہموار کی۔جدوجہد شروع ہوئی تو کچھ maverik نے جدوجہد کی داغ بیل ڈال دی بعد میں کارواں بڑھتا گیا اور لوگ جدوجہد میں شامل ہوتے گئے۔اس جدوجہد کی خاطر لوگوں نے بے بہا قربانیاں دیں کئی بڑی ہستیاں شہید ہوئے جس میں صبادشتیاری، غلام محمد، حمید شاہین، عابد شاہ، حمید، جمال یونس، علی شیر کرد، گلبہار، قمبر چاکر وغیرہ۔جبکہ کئی لوگ آج زندان میں قومی آزادی کی خاطر اذیت برداشت کررہے ہیں۔

لوگوں کی قربانی اور جدوجہد نے بلوچ قومی تحریک کی آواز کو سنگلاخ پہاڑوں سے نکال کر بین الاقوامی دنیا تک پہنچایا اور دنیا بلوچ قومی آواز کو سننے پر تیار ہوئی تو وہی کھلاڑی جو قومی آزادی کی جدوجہد شروع کرنے پر لیت ولعل سے کام لیتے رہے یعنی بی این پی مینگل اور نیشنل پارٹی قابض کی قبضہ گیریت کو مزید مستحکم کرنے کیلئے بلوچ قوم کو مزید غلام بنانے کے لئے آج قبضہ گیر کی ایماء پر بلوچ قوم کے خلاف بطور ہتھیار استعمال ہونے جارہے اور بلوچ قومی کیس کو مزید مبہم اور کنفیوز کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔حالانکہ قابض نے بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد کو روکنے کے لئے حکمت عملی تیار کی جو چار مرحلہ وار طریقہ سے قوم کے خلاف آزما لئے گئے یا کہو ابھی آزمانے جارہے ہیں۔ پہلے پہل قابض نے مسلح جدوجہد کو روکنے کیلئے آپریشن کا سہارا لیا اپنی فوج کو بلوچ قومی تحریک کے خلاف استعمال کیا۔ مکران آپریشن، ڈیرہ بگٹی ،کوہلو، کاہان ،مارواڑ اور نوشکی میں آپریشن کیا گیا لیکن وہاں اسے کامیابی نہیں ملی بلکہ ندامت کا سامنا کرنا پڑا بعد میں اپنی حکمت عملی تبدیل کرتے ہوئے دوسرا مرحلہ آزمایا یعنی اپنے زرخرید کرائے کے قاتل چور اور ڈاکو قبائلی لوگوں کو بھرتی کر کے بلوچ قومی تحریک کے خلاف استعمال کرتے رہے جس میں شفیق مینگل، سراج، امام بھیل وغیرہ جو لوگوں کو ٹارچر کر کے مارتے گئے وہاں بھی کامیابی نہیں ملی بلکہ اس سے تحریک نے مزید تقویت حاصل کی اور لوگ جوق در جوق مسلح جدوجہد میں شامل ہوتے گئے اور حادثاتی گوریلوں کا کھیپ تیار ہوا اور عوامی سطح پر قوم بلوچ جدوجہد کے حق میں ہموار ہوا تو قابض نے تیسری چال چلی اور اپنا تیسرا حربہ استعمال کرنے لگا یعنی قابض کے چوکٹ پر سجدہ ریز خیمہ بردار باجگزار نام نہاد قوم پرستوں کو بلوچ قومی تحریک کے خلاف استعمال کرنے لگے نیشنل پارٹی کے حاصل خان نے کھل کر بلوچ تحریک کی مخالفت شروع کی اور مکران میں بلوچ قومی اثرات جو بلوچ قومی تحریک کے حق مین پڑنے جا رہے تھے ان کو زائل کرنے کے لئے اور قابض کی قبضہ گیریت کو دوام دینے کے لئے پارلیمانی سیاست کا سہارا لے کر قومی تحریک کے خلاف قابض کی تیسری مرحلہ وار حکمت عملی کیلئے ایندھن بنتے جارہے ہیں اس نے کہا کہ وہ پارلیمانی سیاست سے دستبردار نہیں ہوئے۔ پارلیمنٹ، عدلیہ بذات خود قابض کی قبضہ گیریت کو مستحکم

کرنے کی کوشش ہے۔ پارلیمنٹ کی تعریف political system of the world کی کتاب میں واضح انداز میں کیا گیا ہے کہ parliament is a body in country , which is independent and recognised by UN an international community ترجمہ: پارلیمنٹ ملک کا ایک ادارہ ہے جو آزاد اور خودمختیار ہے اور اس ملک کو اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی ممالک نے تسلیم کیا ہوا ہے جبکہ محکوم جب قابض کی پارلیمنٹ میں جاتا ہے تو اسکا مطلب اس نے اپنی شناخت کو ختم کر کے قابض کی official nationalism میں خود کو ضم کر کے اس کا حصہ بننا قبول کیا ہے ۔ جس طرح بلوچستان میں قبضہ گیریت کی پانچواں اجزاء جو بلوچستان کی پارلیمنٹ کو مضبوط اور مزید مستحکم کر رہی ہے ۔ قبضہ گیر کی فوج کے خلاف بلوچستان کی پارلیمنٹ نے کیا کوئی ٹھوس موقف لیا کہ وہ بلوچستان سے نکل جائے دوسری قبضہ گیریت کی اجزاء جو بلوچستان کے قدرتی وسائل کو قابض بے دردی سے لوٹ رہا ہے کسی نے سخت موقف لیا ہے یا کہ پارلیمنٹ نے انہیں وسائل کی لوٹ مار میں روکا ہے نو آبادکاروں کو روکا ہے ۔نو آبادکاروں کو نو آبادکاری کو روکا ہے جبکہ سردار اختر مینگل نے مکران میں بڑے جلسے میں کھلم کھلا اعلان کیا کہ جاؤ پنجابیوں کو مارو اور ایف آئی آر میرے خلاف درج کرو بعد میں جب بلوچ حقیقی جہدکاروں نے انہیں ٹارگٹ کرنا شروع کیا تو اس نے بلوچی چینل میں انکی سختی سے مخالفت شروع کی ۔ یا آخری تعلیمی اداروں میں قابض کی تاریخ ختم کر کے بلوچ نوجوانوں کو شروع میں غلام بنانے کے عمل کو پارلیمنٹ روک پائی ۔

حالانکہ اسوقت دنیا میں 7 نظام حکومت چل رہی ہے جو سب سے بہترین نظام حکومت ہے وہ ہے لبرل ڈیموکریسی جہاں لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہے اس نظام میں امریکہ، انڈیا، برطانیہ، فرانس وغیرہ شامل ہیں لیکن ویتنامی قوم نے امریکہ کی لبرل ڈیموکریسی کی پرواہ نہیں کی بلکہ سرکاری قوم پرستی میں زم ہونے کے بجائے ان کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی قومی آزادی کے لئے جدوجہد کی ۔عراق ، افغان بھی اس کے خلاف لڑے ، کشمیری انڈیا کی لبرل ڈیموکریسی کی پرواہ کیے بغیر جدوجہد کرتے رہے ۔تامل سری لنکا کی لبرل جمہوریت کے خلاف لڑے ، الجزائری فرانس کے خلاف اور امریکن خود جارج واشنگٹن اور جان آدم کی قیادت مین برطانیہ کی لبرل جمہوریت کے خلاف لڑتے ہوئے آزاد ہوئے اور آج سپر پاور ہے لیکن قابض کی چوکٹ پر سجدہ ریز نام نہاد قوم پرست پاکستانی ایمرجنٹ جمہوریت کو بچانے کے لئے دلائل دیتے ہوئے اس سے چمٹے ہوئے ہیں ۔ حالانکہ ایمرجنٹ جمہوریت میں جمہوریت کا نام لیتے ہوئے ڈکٹیٹر شپ اور استحصالی نظام کو مزید مضبوط کیا جاتا ہے ۔جمہوریت کے نام پر بدترین آمریت اور استحصالی لوٹ کھسوٹ کا نظام ہے ۔ بلوچ نام نہاد قوم پرست اسی ایمرجنٹ ڈیموکریسی میں بلوچ قومی مفادات کا سودا کرنے جا رہے ہیں ۔اور جیسے کہ اوپر کہا گیا ہے کہ قابض کے تیسرے مرحلے کے آلہ کے طور پر بلوچ حقیقی جہد کے خلاف استعمال ہونے جا رہے ہیں ۔حالانکہ حالیہ الیکشن بلوچ قوم کے لئے ریفرنڈم کی حیثیت رکھتا ہے پوری دنیا کی نظریں اب بلوچ جدوجہد کی طرف لگی ہوئی ہیں اگر بلوچستان میں الیکشن کامیاب نہ ہوئے یا ٹرن آوٹ کم ہوا تو یہ ریفرنڈم تصور ہوگا کہ بلوچ قوم نے قابض سے آزاد ہونے کا فیصلہ کیا ہے لیکن اب اختر مینگل اور حاصل اسی پاکستان بچاؤ مہم کا حصہ بننے جا رہے ہیں اس مہم کی جس کو نواز شریف سپریم کورٹ اور پاکستانی چند دانشوروں نے شروع کیا لیکن بلوچستان کے نام نہاد قوم پرست اس مہم میں ان سے دو قدم آگے ہیں جبکہ دوسری طرف اختر مینگل اور بی این پی مینگل کی پالیسیوں میں اتنات تضاد پایا جاتا ہے کہ پتہ نہیں چلتا کس کو خوش اور کس کو بیوقوف بنا رہے ہیں کہ لشکر بلوچستان کی قیادت کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی پارلیمانی سیاست کے لئے مروا رہے ہے یہ بھی واضح نہیں کہ لشکر بلوچستان بنانے کی ضرورت کیا تھی ۔اسے آخر میں حقیقی انقلابیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنی پوزیشن بنانے کے لئے بارگینگ کے لئے استعمال کیا گیا۔ اب قوم کے سامنے ان کی حیثیت طشت از بام ہوئی ہے ۔ جلاوطنی میں بلوچ قوم کی خاطر کوئی بھی کام نہیں کیا بلکہ بین الاقوامی دنیا کو بھی گمراہ کرتے ہوئے دوسرے لوگ جو باہر تھے بین الاقوامی حوالے سے جو بڑی طاقتیں اور non

state actors سے رابطے میں انہیں بلوچ آزادی کی حمایت کے بجائے ڈراتے تھے۔آج قبضہ گیر کی دارالحکومت میں آکر گمشدہ افراد کا چیمپیئن بننے کی کوشش کررہا ہے۔قوم کے ساتھ فریب کرتے ہوئے خود کے موقف کو بار بار تبدیل کرتے ہوئے نت نئے سلوگن دے کر پتہ نہیں کس کو خوش اور کس کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔قوم کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں اور قابض کو بلوچ قوم کی کمزوریاں بتا کر تحریک کو کریش کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔حالانکہ جھوٹ فریب دھوکہ کی ایک قسم ہے ۔جبکہ تمام فریب دھوکے جھوٹ نہیں ہیں۔جھوٹ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک stratagic جھوٹ ہے جس کو لیڈر اپنے قومی مفادات کے لئے بولتے ہیں۔اپنے قومی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ جھوٹ بولتے ہیں، اس جھوٹ کا مقصد اپنی قوم کی خدمت ہوتا ہے۔دوسرا خود غرضی کا جھوٹ ہے۔اس جھوٹ کا مقصد شخص یا گروہ کے مفادات کے لئے جھوٹ بولنا بین الاقوامی جھوٹ قومی مفاد کے لئے بولا جاتا ہے جسے سٹریٹجک جھوٹ کہا جاتا ہے۔اور خود غرضی کا جھوٹ قومی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے بولا جاتا ہے۔اس میں شخص یا گروہ کے مفادات قومی مفادات سے متصادم ہوتے ہیں۔خود فرد اور گروہ کا فائدہ ہوتا ہے ایسے لیڈر روح کے جھوٹ پورے سماج کو زہر آلود کردیتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو آج پارلیمانی سیاست کی خاطر نیشنل پارٹی اور بی این پی مینگل نت نئے حربے استعمال کرتے ہوئے قبضہ گیریت کو تقوئت دے رہے ہیں جبکہ قوم کو مزید غلام بنانے کے لئے سرگرم عمل اور قابض کی چوکٹ پر سجدہ ریز قبضہ گیریت کی جڑوں کو مظبوط کررہے ہیں۔دوسری طرف حقیقی جہد کار قبضہ گیریت کی جڑیں ختم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔فیصلہ قوم خود کرے کہ کس کا ساتھ دینا ہے پارلیمانی گروہ کا ساتھ دے کر ہمیشہ کے لئے غلامی تنگی لوٹ کھسوٹ کو اپنا مقدر بنانا ہے یا کہ ایک آزاد خوشحال اور ترقی یافتہ قوم کے طور پر دنیا کے سامنے آنا ہے۔

﴿انقلابی متحدہ محاذ میں قائدین اور زیر قیادت لوگوں کے مابین تعلق کا مسئلہ۔۔۔۔مائوزے تنگ﴾

رہنماء طبقے اور رہنماء پارٹی کو زیر قیادت طبقوں،حلقوں،سیاسی پارٹیوں اور عوامی تنظیموں کی رہنمائی کے لئے دو شرائط پوری کرنی چاہئیں۔الف :مشترکہ دشمن کے خلاف پرعزم جدوجہد کرنے اور فتح حاصل کرنے کے لئے زیر قیادت لوگوں (اتحادیوں) کی رہنمائی کریں۔ب: زیر قیادت لوگوں کو مادی فوائد پہنچانے یا کم از کم انکے مفادت کو نقصان نہ پہنچائیں۔اور ساتھ ہی انہیں سیاسی تعلیم دیں۔

ان دونوں شرائط کے بغیر یا کسی ایک شرط کی موجودگی میں قیادت عمل میں نہیں لائی جاسکتی۔مثال کے طور پر اگر کمیونسٹ پارٹی متوسط کسانوں کی قیادت کرنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ انہیں اپنے ساتھ ملا کر جاگیردار طبقوں کے خلاف پرعزم جدوجہد کرنے اور فتوحات حاصل کرنے میں انکی رہنمائی کرے (زمینداروں کی مسلح قوتوں کو تباہ کیا جائے۔اور انکی زمینیں مساوی تقسیم کردیئے جائیں) اگر پرعزم جدوجہد نہ ہو یا جدوجہد تو ہو لیکن فتح کے بغیر ہو تو متوسط کسان تذبذب کا شکار ہوجائیں گے۔ اسکے علاوہ ہمیں زمینداروں کی زمین اور جائیداد کا ایک حصہ متوسط کسانوں کو الاٹ کرنا چاہئے جو نسبتاً غریب ہیں۔کھانے پینے متوسط کسانوں کے مفادات کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔کسان انجمنوں اور دیہات اور اضلاع کی حکومتوں میں ہمیں متوسط کسانوں میں سے سرگرم عناصر کو کام میں شامل کرلینا چاہئے۔اور انکے لئے مناسب حصہ مقرر کردینا چاہئے۔(مثال کے طور پر کمیٹی کے کل اراکین کا ایک تہائی) متوسط کسانوں کی طبقاتی حیثیت کا غلط تعین نہیں کیا جانا چاہئے۔اور محصول اراضی نیز جنگ کے دوران شہری خدمات کے معاملے میں ان سے منصفانہ سلوک کیا جانا چاہئے۔ساتھ ہی متوسط کسانوں کو سیاسی تعلیم دی جانی چاہئے۔اگر ہم نے یہ سب کچھ نہ کیا تو ہم متوسط کسانوں کی حمایت سے محروم ہوجائیں گے۔شہریوں میں متوسط بورژوا طبقے جمہوری پارٹیوں اور عوامی تنظیموں پر جو رجعت پسند قوتوں کے مظالم اور اذیتوں کا شکار ہیں۔مزدور طبقے اور کمیونسٹ پارٹی کی قیادت کے سلسلے میں یہی بات صادق آتی ہے۔

نوجوان سیاسی کارکنوں کے نام پیغام

بھگت سنگھ

آپ لوگ انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس نعرے کا مطلب کیا ہے۔ ہماری تعریف کے مطابق انقلاب کا مطلب اس سماجی نظام کا اکھاڑ کر ایک سوشلسٹ نظام قائم کرنا ہے۔ اس حوالے سے ہمارا پہلے مقصد طاقت کا حصول ہے۔ درحقیقت ریاست اور حکومتی مشینری، حکمران طبقے کے ہتھیار ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہمیں اس ہتھیار کو چھین کر اسے اپنے مقصد کے حصول کے لئے استعمال کرنا ہے۔ جو کہ مارکسی بنیادوں پر ایک نئے معاشرے کی تعبیر ہے۔ اور اسی مقصد کے تحت ہم حکومتی مشینری کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں عوام کی نظریاتی تربیت بھی کرنی ہے۔ جو کہ جدوجہد میں ان کے ساتھ شریک ہوکر بہتر طریقے سے کی جاسکتی ہے۔

کسی بھی انقلابی پارٹی کے لئے ایک ٹھوس پروگرام ناگزیر ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ انقلاب کا مطلب عملی جدوجہد ہے۔ اس کا مطلب شعوری طور پر اور منظّم طریقے سے کام کرتے ہوئے تبدیلی لانا ہے نہ کہ غیر منظّم اور اچانک تبدیلی یا پھر افراتفری۔ اور انقلابی پروگرام مرتب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا علم ہونا ناگزیر ہے۔

اس بات کا احاطہ کرنا کہ کام شروع کہاں سے کیا جائے یعنی کہ معروضی حالات کا جائزہ۔

لائحہ عمل اور طریقہ کار جب تک ان تینوں باتوں کا مکمل جائزہ نہ لیا جائے۔ کوئی پروگرام مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ایک سوشلسٹ انقلاب چاہتے ہیں۔ جو کہ سیاسی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔ سیاسی انقلاب کا مقصد انگریزوں سے ہندوستانیوں تک ریاست کی منتقلی نہیں بلکہ ان ہندوستانیوں تک اقتدار اقتدار کی منتقلی ہے جو حتمی منزل تک ہمارے ساتھ کھڑے رہیں۔ دوسرے الفاظ میں عوام کی حمایت کے ساتھ انقلابی پارٹی تک طاقت کی منتقلی۔ اگلا درست قدم سوشلسٹ بنیادوں پر سماج کی تعمیر ہوگا۔ اگر آپ ایسے انقلاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو برائے مہربانی انقلاب زندہ باد چلانا بند کردیں۔ انقلاب کا لفظ بہت مقدس ہے۔ اور ہم اسے رسوا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن اگر آپ قومی انقلاب چاہتے ہیں اور آپ کی جدوجہد امریکی طرز پر جمہوریہ ہندوستان کی تعمیر ہے تو مجھے برائے مہربانی یہ بتا دیں کہ کن قوتوں پر انحصار کر کے آپ انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ انقلاب چاہے قومی ہو یا سوشلسٹ یہ فریضہ صرف مزدور اور کسان ہی پورا کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو صرف قومی بنیادوں پر کسانوں اور مزدوروں کی حمایت حاصل کرنا ہے تو یہ جان لیجئے کہ کہ وہ جزباتی باتوں سے بیوقوف بننے والے نہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ''جس انقلاب کے لئے آپ ان سے قربانی مانگ رہے ہیں وہ انہیں کیا دے سکتا ہے۔ آپ انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کو انہیں یقین دلانا پڑے گا کہ حتمی مقصد کو واضح کر لینے کے بعد ہی آپ اپنی قوتوں کو عملی کارروائی کے لئے منظّم کر سکتے ہیں۔ اب آپ کو لازمی طور پر دو مراحل سے گزرنا ہوگا۔ پہلا تیاری اور دوسرا عمل۔ موجودہ تحریک کے ختم ہونے کے بعد آپ مخلص انقلابیوں میں سے بےیقینی اور مایوسی کی کیفیت کو دیکھیں گے۔ لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں جزباتی پن کو ایک طرف پھینک دیں۔ حقیقت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، انقلاب ایک مشکل کام ہے۔ یہ کسی اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ نہ ہی اس کے لئے کوئی مقررہ تاریخ دی جا سکتی ہے۔ بلکہ انقلاب مخصوص معاشی و سماجی حالات میں برپا ہوتے ہیں۔ منظّم پارٹی کا اصل کام ایسے حالات کی جانب سے مہیا کئے گئے مواقع کا فائدہ اٹھانا ہے۔ انقلاب کے لئے عوام کو تیار کرنا مشکل کام ہے۔ اور یہ کام انقلابیوں سے قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ یہاں ایک بات میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کا روبار سے وابستہ

ہیں یا پھر روزمرہ کاموں اور خاندان میں مصروف رہنے والے آدمی ہیں۔ تو مہربانی کر کے آگ سے مت کھیلئے۔ایک لیڈر کے طور پر آپ پارٹی کے کسی کام کے نہیں۔ ہمارے پاس پہلے ہی سے شام کو وقت گزاری کے لئے تقریر کرنے والیوں کی بہتات ہے۔ جو بیکار ہیں۔ہمیں لینن کے الفاظ میں پیشہ ور انقلابی چاہئیں۔تمام تر وقت کام کرنے ایسے کارکن جتنی زیادہ تعداد میں پارٹی کے اندر منظّم ہوں گے۔ کامیابی کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہیں۔منظّم طریقے سے آگے بڑھنے کے لئے ایسی پارٹی کی ضرورت ہے جس کے اندر ایسے کارکن جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔نظریات سے لیس ہوں اور حالات کے مطابق درست فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ پارٹی کا ڈسپلن آہنی ہونا چاہئے۔اور ضروری نہیں کہ یہ پارٹی صرف زیر زمین ہی کام کرے۔ بلکہ اس متضاد حالات میں بھی کام کر سکے۔ پارٹی کو جن کارکنوں کی ضرورت ہے وہ صرف نوجوانوں کی تحریکوں کے ذریعے بھرتی کئے جا سکتے ہیں۔لہذا ہمیں نوجوانوں کی تحریک میں سٹڈی سرکل، کلاس لیکچر، منعقد کیئے جائیں۔ اور کتابچے، فارم، کتابیں اور رسالے چھاپے جائیں۔ سیاسی کارکنوں کی تمام موضوعات پر تربیت کی جانی چاہئیں۔ باقاعدہ میٹنگز اور کانفرنسوں کے ذریعے سے کارکنوں کی تمام تر موضوعات پر تربیت کی جانی چاہئیں۔اگر آپ ان بنیادوں پر کام کا آغاز کرتے ہیں تو آپ کو صبر سے جذباتیت یا خون خرابے کی بجائے مستقل مزاجی سے کی جانے والی جدوجہد پیش قدمی اور قربانی چاہئے۔سب سے پہلے انفرادیت اور ذاتی تسکین کے خوابوں سے چھٹکارا پانا ہوگا۔اس کے بعد کام کا آغاز کیا جائے۔آپ کو انتہائی دھیمی رفتار سے آگے بڑھنا ہوگا جس کے لئے ہمت اور مضبوط عزم کی ضرورت ہے۔ مشکلات اور مصیبتیں آپ کو مایوس نہ کریں۔نہ ہی ناکامی اور غداریوں سے دلبرداشتہ ہوا جائیں۔جتنی بھی مشقت کرنی پڑے، آپ کے اندر کا انقلابی مرنا نہیں چاہئے۔

مظلوموں کیلئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ انسانی تکمیل کی جدوجہد کو تسلیم کرتے ہیں تو دراصل اس کے ساتھ ہی وہ اس جدوجہد کی مکمل زمہداری بھی اپنے کندھوں پر لے لیتے ہیں، ان کیلئے اس بات کو سمجھنا لازم ہے کہ وہ صرف بھوک سے آزادی کی لڑائی نہیں لڑ رہے بلکہ تعمیر و تخلیق کی آزادی کیلئے عجوبوں اور حیرت انگیز کاموں کو سرانجام دینے کیلئے اور یہ آزادی اس بات کی متقاضی ہے کہ فرد کسی مشین میں پیوست ایک پرزہ یا غلام نہ بلکہ ایک آزاد، ذمہ دار اور سرگرم عمل انسان کی حیثیت رکھتا ہو، اگر سماجی صورتحال صرف مشینی انسان کے وجود کو تخلیق کرے گی تو اسکا نتیجہ زندگی نہیں بلکہ موت سے محبت کی شکل میں نمودار ہوگا۔

پائولوفرائرے

کُرد اور بلوچ قومی تحریکیں....ایک تقابلی جائزہ

جوان بلوچ

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے سیاسی کارکنان کرد تحریک سے نا آشنائی کے باوجود بھی اس متعلق اتنا بحث کر جاتے ہیں کہ جتنا مواد شاید کرد مبصرین نے خود نہ لکھ چھوڑا ہو۔ میں ذاتی حوالوں سے محسوس کرتا ہوں کہ ایسے غیر سنجیدہ مباحثوں کی وجہ درحقیقت بلوچوں کے کردوں سے کسی حد تک ثقافتی یکسانیت کے ساتھ انکے انتظامی ڈھانچے (قبائلی نظام) اور قبضہ گیریت میں ہم سب کسی حد تک مماثلت ہے۔ بہرحال کرد قومی تحریک جو یقیناً مسلسل جد جہد و لازوال قربانیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا تسلسل ہے اس سے محض ایک تنظیم و اسکے سربراہ کے متعلق چند تصانیف کا ترجمہ کرنے کے بعد میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کا جائزہ لیتے بلوچ قومی تحریک (کہ جس کے متعلق میری معلومات قطعی اس موضوع کے لئے کافی نہیں) کے ساتھ موازنہ کرسکوں۔ بہرحال ایسی گستاخی کہ حقیقی وجہ محض چیزوں کو سمجھنے کی نیت سے تعبیر ہے۔ اس ضمن میں اگر دیکھیں تو ہم ایک طرف خود کو کردوں سے ثقافتی حولوں سے مماثل قرار دیتے انہیں اپنے جیسا قرار دیتے ہیں۔ مگر انکی تحریک میں سیاسی پختگی کو دیکھتے ہم اب تک اس تنگ نظر پاکستانی سوچ سے نہیں ابھر پائے کہ جس کے تحت عورت محض بچے پلنے والی مخلوق ہے، کرد قومی تحریک کا سطحی مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کسی بھی بلوچ مبصر کو نے اپنے مارکسسٹ نظریات کے تناظر میں جنسی برابری کو نہ سرعف پی کے کے کافی مرغوب کر جائینگی کہ تسلیم کیا بلکہ اس تنظیم نے اس کا عملی طور پر ثبوت پیہش کرتیب قومی آزدی کی جدوجہد کرنے کے لئے انسانی برادری کے اپنے اس عمل کا اقرار پی کے کے عورتوں کو اپنی ءفوج میں بھرتی بھی کیا، ایک جریدے میں کرتے یہ بات قبول کرتی ہے کہ تنظیم کے قیام کے وقت عورتوں کی تعداد انتہائی قلیل تھی۔ لہذا ہم حوصلہ افزا تعداد بڑھانے کے لئے شعوری طور پر اپنے معاشرے میں خوب کام کیا۔ اور 1990 کی دھائی کے ابتدائی کے سالوں میں پی کے کے دونوں ہمارے کل مسلح لوگوں میں سے 30 فی صد مسلح کارکنان خواتین ہیں۔ مزید برآں اگر ہم قبائلی معاشرے میں ایسی مثالی تبدیلی کو محض دعویٰ بھی سمجھیں تو ہم انکی اس دعوے کو حقیقت تسلیم کرنے کے لئے متعدد ثبوت مہیا کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ہم 1990 میں اس تنظیم کے خودچ کش حملوں کا اگر مطالعہ کریں تو وہ خود بہم ایک ثبوت کے طور پر اس دعوے کو سچ ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ ان وقتوں پندرہ خودکش حملوں میں سے گیارہ خود کش حملہ آور کرد خواتین تھیں۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بلوچ قومی تحریک اپنے سیاسی پلیٹ فارم میں بھیط عورتوں کے سرگرم رہنے میں اس حد تک کامیاب نہیں کہ جس پر فخر کیا جاسکیں۔ مزید یہ کہ موجودہ سیاسی ماحول میں خواتین پینل کے نام سیب کام کرنے والی متعدد جماعتیں بھی صرف ایک دوسرے کو اصلی نقلی پینل ثابت کرنے کے مباحثوں میں مصروف سکھائی دیتی ہیں جو خالصتا پاکستانی طرز سیاست کے عکاسی ہے۔ کہ جہاں خود کو سیاسی جماعت کہلوانے والی تنظیمیں فقط ایک دوسرے کو نیچا ثابت کرنے کی جدوجہد میں عوام کو مصروف رکھتے فوج کو سیاسی طاقت بدستور رکھنے کا موقع عطا کرتے قوموں کو غلام رکھنے میں مدد فراہم کرت ی ہے۔ حالانکہ تاریخی حوالوں سے دیکھیں تو وقتا ہم کردوں سے مماثلت رکھنے والی حقیقی سیکولر قوم ہیں۔ ہمارے یہاں بھی ماؤں نے گلزمین کی حفاظت کرتے شہادت نوش کئے۔ مغربی بلوچستان میں نازبی بی (دادشاہ مکی بہن) نے اپنے بھائی کے ہمراہ لڑتے یہ سچ کر دکھایا کہ بلوچ معاشرہ ہرحوالے و ہرحالت میں انسانی برابری کے فلسفے پر قائمن رہتے اپنے سیکولر و مثبت سوچ کے باعث کافی پرکشش ہے۔ دوسری جانب یہ بات بھی ان دوستوں کو شاید اعصابی ہیجان میں ڈال دے جو کہ کرد تحریک سے نا آشنا ہونے محض خیالی صورت گیری کرتے اپنے تنظیمی فرائض کہ جس میں تنظیم کے لئے مالی معاونت کی پالیسیاں بھی تشکیل دینا ہوں اس سے راہ فرار اختیار کرتے خود کو کردوں کی جد جہد کے مشابہہ قرار کا سالانہ بجٹ (پی کے کے) دیتے ہیں۔ اس ضمرے میں یہ بات غور طلب ہیکہ ایک

اندازے کے مطابق محض قریبا پانچ سوملین یورو تھا۔اس بجٹ کو مزید سمجھنے کے لئے اگر پاکستانی کرنسی میں بدلا جائے تو یہ رقم 59ارب 32 کروڑ اور 5لاکھ کے قریب قریب بنتی ہے۔اور مزید اگر اس رقم کی اہمیت سمجھی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ رقم مالدیپ، مورتانیہ، گانا، زمبابوے، کانگو، سری نام جیسے ممالک سالانہ بجٹ کے مماثل ہے۔(revenue) محصولات جیسی تنظیم کے سربراہان وکارکنان نے کافی محنت سے حاصل کر رکھا تھا جس کے پی کے کے یہ مالی حدف لئے سالوں تک منصوبہ بندی کی گئی تھی۔اس حدف کو پورا کرنے کے لئے تنظیم نے نہ صرف قانونی طور سے خود مختلف کاروباروں میں حصہ ڈالا بلکہ دنیا بھر میں موجودہ کرد بیوپاریوں وکاروباری اشخاص کو قائم کی۔مزید برآں انٹرنیشنل کردش بزنس مین یونین اکھٹا کرتے تنظیم نے دنیا بھر میں موجود دیگر آزادانہ اداروں کے ساتھ ملتے میوزیکل پروگرام موسیکی کے محفل پر منشیات کی اسمگلنگ سے اپنے لئے فنڈز جمع پی کے کے دعوتیں رکھتے بھی اپنے لئے فنڈز جمع کئے گئے۔گویا کہ اپنی نوعیت کی ان پی کے کے کرنے کا بھی الزام ہے۔مگر اس تنظیم کے متعلق اس بات کو بھی منانا جانتا ہیکہ تمظیموں میں سے ہے کہ جس نے اپنی اشاعت کی گئی متعدد سیاسی و انقلابی لٹریچر کو دنیا بھر میں بھیجنے سے بھی خوب فنڈ جمع کیا۔جو بلاتنقید ایک قابل ستائش عمل ہے۔اس کے علاوہ موثر منصوبہ بندی کے تحت اس تنظیم نے اپنی ذیلی تنظیموں کی بنیاد ڈالتے اپنے لئے آمدن وحمائت کے بہترین مواقع پیدا کئے۔انکا نام سرفہرست کانفیڈریشن آف کردش ایسوسی ایشنز میں یورپ میں قائم ہے۔اس تنظیم کلے حوالے سے بلوچ قومی تحرئک کا جائزہ لتے ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس تنظیم نے انتہائی موثر عالمی ترک پروپگنڈے کا سخت حالات میں بھی مقابلہ کیا۔ہم دیکھیے ہیں کہ ترکی نے جب شام کو عبداللہ اوجلان کی حمایت پر تنبیہ کیا تو وہ تواتر سے اپنی جگہیں بدلنے کے باوجود بھی تنظیم کو اپنے موقف پر قائم رکھتے جدوجہد کے لئے عمل پیرا ہے۔حالانکہ ترکی کے سخت موقف کے باعث روس، اٹلی، یونان، جرمنی اور یورپ بھر میں جب عبداللہ اوجلان کو سیاسی پناہ کے لئے انکار کیا گیا۔تب بھی تنظیمی امور بدستور اپنی ہدف کی جانب بڑھتے رہے۔اور قوم نے یک جٹ ہوئے اس عالمی پروپگنڈے مقابلہ کیا۔اس بات سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کہ کرد معاشرے میں موجود سیاسی طاقتیں کس حد تک منظّم تھیں۔جب کہ ایسی ہی ایک صورتحال میں ہم اپنی ایک قومی قائد کو دیکھتے ہیں اپنی کمزوریوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔کہ جس میں ہماری سیاسی جماعتیں ایک دستخطی مہم بھی ٹھیک سے نہ چلا پائیں۔اور جب اس عظیم انسان کو بلوچ قوم کے لئے (signature compign) جد جہد کرنے کی پاداش میں جیوری کے سامنے لانے کا خیال ظاہر ہوا۔تو ہم ایک مترجم اور اسکی صفائی میں ثبوت کی تلاش میں یہاں وہاں سرگرداں ہوئے۔اس طرح اگر ہم کردوں کتے موقف ک، ی تشہیر کا اپنے تشہیری حکمت عملی جائزہ لیں تو ہمیں وہاں بھی اپنی خامیاں نظر آتی ہیں۔مثلا کیمیائی ہتھیاروں ہتھیاروں سے معصوم لوگوں کے قتل کی داستان کرد اور بلوچ دونوں میں یکا ساا ں ہے۔مگر کرد تحریک کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انسانیت کے فلسفے پر قائم بین الاقوامی سطح پر سرگرم ہونے والی متعدد تنظیموں کو شاید آج تک بلوچوں پر ہونے والے مظالم آج تک ادراک ہی نہیں۔جبکہ کرد تحریک آزادی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے فعال پروپگنڈے یورپ بھر میں نہ صرف ان تصویر میں نہن صرف شہید ہونے والے افراد کی شہادت بذریعہ کیمائی ہتھیار کی تصدیق ہوئی۔بلکہ جرمنی جیسے طاقتور ملک جو خود ترکی کا سابقہ اتحادی رہ چکا ہے اس معاملے میں انتہائی سخت موقف اختیار کرتے ترکی کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔اور اس سانحے کی باضابطہ تحقیقات کا حکمن دیا۔اسی طرح کے منظّم پروپگنڈے کے باعث ہی عراق کے فوجی کمانڈر چیف اور عراق کے خفیہ خبر رساں ادارے کے علی جو صدام کے چچا زاد بھائی تھے انہیں دنیا بھر (علی حسن ابدالماجد) کا لقب دیتے انسانیت کا مجرم گردانا گیا۔جسے حالیہ ادوار میں اس جرم، میں کیمیکل علی کے عوض سزائے موت بھی ہوئی۔مگر اس حوالے سے ہماری پروپگنڈہ مشین اس قدر زنگ آلود رہی کہ خود ہماری قوم کو بھی ایسے واقعات کا علم نہیں۔کہ جس سے پاکستانی بربریت کی صحیح جھلک نمایاں ہو،

کرد قومی تحرے اور بلوچ کی حالت زار میں ان کے سرزمین کا مختلف قبضہ گیر طاقتوں کے بیچ تقسیم ہونا ہے۔اور ہم، سطحی مطالعہ کرنے کے بعد بھی یہ جان سکتے ہیں کہکر تحریک اپنی عوامی مقنولیت کے باعث اپنی کل مقبوضہ سرزمیں میں نہ صرف متعارف ہے بلکہ بڑی حد تک عوامی شرکت کی متحمل بھی

ہے۔ایران، ترکی اور عراق میں یہ تحریک نہ صرف اپنے جدا جدا رنگ میں اپنا وجود رکھتی ہے بلکہ مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے انکے بیچ ہم آہنگی بھی دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے مقابلے ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی بلوچستان میں کہ قومی جزبات گوکہ بازدفعہ اپنے مذہبی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں ح مگر وہاں قومی شعور کے تحت آزادی کے جد وجہد کرنے والی کوئی نمایاں تحریک نہیں۔اور یہ مجموعی حوالوں سے ہماری سیاسی نا پختگی کو ظاہرت کرتی ہے۔اس ذمرے میں عموما یہ منطق دی جاتی ہیکہ ایران جیسے غاصب قبضہ گیر کلی طاقت کے پیش نظرط وہاں سیاسی رجحانات کی ترویج کے لئے کام کیا جانا تقریبا ناممکن ہے۔مگر ایسے دلائل کو قومی آزادی جیسی نعمت سے محروم ہونے کے لئے پیش کیا جانا میرے نزدیک زیادہ غیر سیاسی خیال ہے۔جسے توڑنے کئی اشد ضرورت ہے۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیاں کہ کردوں نے اس طفلانہ معذرت کو رد کرتے ہوئے وہاں قومی سیاست وآزادی کا شعور دینے کے لئے کافی کامیابی حاصل کیں۔بلوچ قومی تحریک وکردنزاحمت کا تقابلی جائزہ لینے میں یہ ایک آخری نقطہ بھی پیش کرنا ہوگا۔جو کہ کرد تحریک سمجھنے والے کسی بھی طالب علم کے لئے بے حد پرکشش ہو۔یہ نقطہ اس تحریک کے بین الاقوامی اور داخلی روبط سے جڑا ہے۔جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ (پی کے کے) موجود محض ایک تنظیم (بی ای کے اے اے) شام سے اس تنظیم کے تعلقات اس قدر گہرے تھے کہ اس تنظیم کا پہلا مسلح کیمپ پیکاوادی میں شام کی مدد سے قائم کیا گیا۔مزید یہ کہ ایران جو بعض معاملات میں کرد تحریک کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتا ہے۔اس پر بھی ترکی کو کمزور کرنے کی سازش کے تحط فنڈز وہتھیار کی فراوانی کے ٹریننگ کیمپ میں یونان کے pkk کے الزامات ہیں۔مزید براں یہ بات تو دنیا بھر میں کہ ریٹائرڈ لیفٹیننٹ وایڈمرل تک دورہ کر چکے ہیں۔اوران میں بیشتر نے اپنی یاداشتوں کے تحت یہ الزام بھی شبہ سے مبرانہیں کہ نوے کی دھائی میں یونان کردوں کو براہ راست مدد کرنے میں شریک تھا۔ساتھ ہی اگر ہم عبداللہ اوجلان کی گرفتاری کے متعلق کرد سیاسی مباحثوں کا تجزیہ کریں تو یہ بات کہ انکے مطابق عبداللہ اوجلان نے بیرونی میں گرفتاری سے پہلے یونانی سفارت خانے میں سیاسی پناہ لے رکھی تھی۔اور اگر ہم عبداللہ اوجلان کی گرفتاری کے متعلق تمام تر مراحل کا جائزہ لیں تو اٹلی میں موجود سابقہ لیفٹیننٹ حکمرانوں سے سے بھی انکی تنظیمی تعلقات کا دراک ہوتا ہے۔جبکہ انکی گرفتاری کے وقت ان سے برآمد ہونے والا پاسپورٹ قبرص اس بات کی نشاندہی کرنے کے لئے کافی ہے کہ قبرص سے بھی انکے معاملات چلے آرہے تھے۔عبداللہ سے تعلقات کے الزام میں بھیب ussr اوجلان کا روس جانا اور انکے کمیونسٹ نظریات سے سابقہ روس کا خفیہ ادارہ (کا کردار ہے) جبکہ کے جی بی کافی وزن ہے۔کہ عبداللہ اوجلان کی فوجی تربیت میں ہم دیکھتے ہیں روس اب تک ان ممالک میں ایک ہے کہ جس نے بے جا ترک دباؤ کو دہشت گرد تنظیم ماننے سے انکار کر دیا۔اگر تجزئے کا دائرہ اور بڑھائیں تو بیلجئم میں (pkk) بھی براڈ کاسٹنگ کے باعث انگلستان کے کرد تحریکوں روبط کا بھی اندیشہ کسی حد تک جائز ہے۔اسی طرح اگر اس تنظیم کے داخلی رابطوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ تنظیم کسی نہ کسی صورت دنیا بھر کے کردوں تنظیم نے یورپ بھر میں موجود تمام کردوں کو اپنی سرز میں محبت جیسے عظیم جزبے سے سرشار کیا۔اس کے علاوہ ایران، ترکی عراق وشام میں موجود کردوں میں بھی خوب قربت پیدا کی۔جبکہ اس تنظیم کے چند اہم کارروائیوں میں آرمینین مسلح تنظیموں کی بھی معاونت شامل ہے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے بلوچ قومی تحریک میں موجود متعدد تنظیموں کی بین الاقوامی تعلقات استوار نہ کرنے جیسی اہم کمزوریوں کو محسوس کیا جانا فطری عمل ہے۔گوکہ ہماری تنظیم (بشمول مسلح تنظیموں کے دیگر روابط کے متعلق معلومات کا ہر خاص و عام کو علم نہیں مگر اس زمرے میں اگر ہم سطحی تجزیہ کریں تو ہمارے قومی رہبروں کا دنیا بھر سے مدد کیلئے اپنی درخواست کی پکار لگانا اس بات کا اشارہ ہے کہ مجموعی حوالوں ہمیں اس مد میں کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

دنیا میں صرف اور صرف طاقت کو قبول کیا گیا ہے پاکستان نے طاقت کی بنیاد پر بلوچ سرزمین پر قبضہ کیا ہے اس قبضہ گیریت کے خاتمے کیلئے بلوچ کو طاقت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ ☆☆ذاکر مجید بلوچ☆☆

امید کی ایک کرن

محمد علی تالپور ترجمہ ....لطیف بلیدی

اس بات سے کوئی انکار نہیں ہے کہ سردار اختر مینگل اثر ورسوخ رکھتے ہیں لیکن ان کی مشروط اطاعت نے بہت سے بلوچوں کو ان سے دور کر دیا ہے اور ان کے طاقت کی اساس تیزی سے ڈھیہ جائیگی۔ سردار اختر مینگل کی غیر مشروط اطاعت اور سپریم کورٹ کے سامنے پیش ہونے نے چند لوگوں کو تو خوش کیا ہے لیکن بلوچ کی اکثریت کو غصہ دلا دیا ہے۔ وہ ایک آزاد بلوچستان کے مطالبے کے اپنے موقف سے ہٹ چکے ہیں۔ 8 مئی 2009 کے ڈیلی ٹائمز میں اس وقت کے اسکے کوئٹہ کے نمائندے ملک سراج اکبر نے ایران کے سرحد سے ملحق مغربی ضلع پنجگور سے اختر مینگل کی تقریر رپورٹ کی تھی۔ مینگل نے کہا کہ ان کی پارٹی (بی این پی م) کا اصل مقصد پاکستان سے بلوچستان کی آزادی حاصل کرنا ہے جس کیلئے انکی پارٹی زمین تیار کرنے اور تمام بلوچ قوم پرست سیاسی گروہوں کے درمیان اتحاد کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بی این پی مینگل کے سربراہ نے کہا کہ بلوچ اب ان بلا روک فوجی کاروائیوں اور وفاق کی طرف سے ان کی قدرتی وسائل کی ضرورت سے زیادہ استحصال سے تنگ آ چکے ہیں اور اب بی این پی مینگل پاکستان سے بلوچستان کی علیحدگی چاہتا ہے۔ ایسی برگشتگی کے پیچھے ضرور کچھ اچھی وجوہات وزیراعلی کی پرکشش کرسی پر براجمانگی ہے۔ یقیناً یہ ایک برا سودا ہے، کیونکہ اس سے بلوچ حقوق کو ایک حقیر معاوضے کے عیوض بیچا جائیگا۔ بلوچ کے خون کے تالاب سے گزر کر اس انتہائی مرغوب منصب پر بھیٹنا عدم اخلاص کو مجسم کرنے کی مترادف ہے۔

مینگل کے چھ پوائنٹس شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ پوائنٹس کے مماثل نہیں ہیں۔ یقینی طور پر یہ وہ مطالبات نہیں ہیں کہ جس کے لیئے بلوچ لڑے ہیں اور اپنا خون بہایا ہے، بلکہ یہ ان کی مشروط اطاعت اور انتخابات میں شرکت کیلئے تیاری کی امید میں چھوڑا گیا ایک شوشہ ہے تا کہ ایک بار پھر وہ چیف منسٹر کی کرسی کی زینت بنیں کہ جسے بلوچ 'چیپ منسٹر' کہتے ہیں۔ انہوں نے علامات کے خاتمے کیلئے اقدامات کا مطالبہ کیا ہے لیکن بدقسمتی سے بہ آسانی اس بیماری کو بھول گئے ہیں جو کہ بنیادی طور پر ان علامات کی وجہ ہے۔ انہوں نے غیر یقینی ذاتی فوائد کے بدلے بلوچ کی قربانیوں کو قربان گاہ پر چڑھا دیا ہے اور بلوچ کے اپنے ناگزیر حقوق کی مانگ کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستانی ریاست کی خواہشات کیمطابق انکی اطاعت اور لاپتہ افراد کی بحالی کے سپریم کورٹ کے ڈرامہ میں شرکت نے محض بلوچ کیخلاف ماضی حال اور مستقبل کے مظالم اور زیادتیوں کو حق بجانب ہونے کا جواز فراہم کیا ہے۔ انہوں نے اپنا حصہ اسی اسٹبلشمنٹ کے پڑے ڈال دیا ہے جو 1976ء میں ان کے بھائی اسداللہ مینگل اور احمد شاہ کو لاپتہ کرنے کا براہ راست ذمہ دار ہے۔

مینگل کے چھ پوائنٹس جنہیں فوج اور حکومت کی طرف سے نمائش کے طور پر مسترد کر دیا گیا ہے، یہ ہیں: بلوچ کے خلاف فوجی آپریشن کا خاتمہ، تمام لاپتہ افراد کی قانونی عدالت کے سامنے پیشی، انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نگرانی میں کام کرنیوالے تمام ڈیتھ سکواڈز کا خاتمہ، انٹیلی جنس ایجنسیوں کی جانب سے کسی مداخلت کے بغیر بلوچ سیاسی جماعتوں کی سیاسی سرگرمیوں کی بحالی، ان ذمہ دار افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لانا جو بلوچ سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں پر غیر انسانی تشدد، انکے قتل اور لاشیں پھینکنے میں ملوث ہیں، اور ان ہزاروں بے گھر ہونے والے بلوچوں کی بحالی کیلئے اقدامات شروع کرنا جو انتہائی مخدوش حالات میں رہ رہے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب سپریم کورٹ کی سرپرستی کے تحت کیا جائے گا، تو وہ ایک سعی لاحاصل میں مبتلا ہیں۔ سپریم کورٹ نے اس سلسلے میں آج تک کچھ بھی حاصل نہیں کیا ہے یہ ماننا ہے کہ اسکے 68 احکامات میں سے 60 کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ خطرے میں گھری سپریم کورٹ کا 61 واں واجب التعمیل حکم امتناعی ہوگا۔ لوگوں کا لاپتہ و ہلاک کرنا جاری و ساری ہے۔ کوئی تبدیلی نہیں آئیگی کیونکہ ذمہ داران بہت طاقتور ہیں اور بلوچستان میں انکا بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔

تاہم مینگل کچھ زیادہ پر امید لگ رہے تھے جب انہوں نے سپریم کورٹ کی

تعریف کرتے ہوئے کہا کہ

° یہ ملک کی تاریخ میں ہوا ہے کہ بلوچ عوام کو پہلی بار امید کی ایک کرن مل گئی ہے ۔ہوسکتا ہے ان کے لئے وہاں امید کی ایک کرن ہو لیکن درحقیقت بلوچ کو 27 مارچ 1948 کے بعد سے اور کچھ نہیں بلکہ ایک گہری تاریکی کا سامنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اختر مینگل ہم سب کو یہ بات سمجھنے میں مدد کرینگے کہ تاریکی اور ظلم کے کفن میں لپٹے بلوچستان کو یہ امید کی کرن کس طرح منور کرے گی۔ اگر اس امید کی کرن کا مطلب محض یہ ہے کہ بلوچستان ان کے داروغگی کے تحت ہوگا تو بلوچ کا بوجھ دوگنا ہو جائے گا۔

مینگل نے یہ بھی کہا کہ ان کے مطالبات پر عمل درآمد کے بعد بلوچ کے مقبول اور حقیقی نمائندوں اور فوجی مقتدروں کے درمیان صوبے کے مستقبل پر بامعنی مذاکرات ممکن ہیں۔ حقیقی نمائندوں سے انکی مراد شاید وہ خود ہیں۔ مظلوم اور ظالم کے درمیان بامعنی مذاکرات کبھی نہیں ہو سکتے اور یقینی طور پر جب اتنا زیادہ بلوچ خون بہ چکا ہو۔ اس کے علاوہ اپنے مرشدین کو مطمئن کرنے کی کوشش میں مینگل نے طلاق کے بارے میں ایک استعارے کا استعمال کرتے ہوئے بلوچ عزت، وقار اور قربانیوں کی قدر و منزلت گھٹا دی ہے، بلوچ کسی کو جہیز میں نہیں دئے گئے نہ انکی شادی کرائی گئی تھی، وہ ایک مہذب تاریخ کیساتھ ایک قوم ہیں اور ہمیشہ رہینگے۔

اگر کوئی بھی یہ سوچتا ہے کہ مینگل کی واپسی بلوچ حقوق کی جدوجہد کے لئے غیر اہم ہے تو اسے دوبارہ سوچنا چاہیے۔ ناانصافیوں کا ارتکاب کرنیوالوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر رضامندی بلوچستان میں زیادتیوں کو قانونی قرار دیگی اور اسکے علاوہ بلوچ کے اندر آپسی رنجشوں کے امکان میں اضافہ کردیگی، جو کہ ان لوگوں کو عارضی طور پر نقصان پہنچائیگی جو حقوق کیلئے جدوجہد کررہے ہیں۔ اتنا ہی اہم دوسرا عنصر یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کو بھی ضرور کمزور ے گی جو دنیا اور یہاں کی سول سوسائٹی سے بلوچ کیخلاف کئے جانیوالے ناانصافیوں کا نوٹس لینے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ مینگل کے سپریم کورٹ کے فیصلے کی قبولیت ہزاروں لاپتہ اور ان 600 بلوچوں کہ جن پر تشدد ہوا اور انہیں ہلاک کیا گیا، ان کے لئے انصاف کی جنگ کو مزید مشکل اور غیر یقینی بنادیگی۔ جبری طور پر گمشدہ افراد اور انکے رشتہ داروں کے مصائب کو دور کرنے کی کوشش کرنیوالے ڈبلیو جی ای آئی ڈی جیسے بین الاقوامی ادارے اپنے کام کو جاری رکھنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہونگے اگر بلوچستان میں مقبول نمائندگی کا یہ ڈرامہ کامیاب رہا۔

اسٹابلشمنٹ کو شاید اس خوش فہمی میں رہنے کیلئے چھوڑ دیا جائے کہ جو خرگوش اس نے اپنی پٹی ہوئی ٹوپی سے باہر نکالا ہے وہ ایک شاہکارہ ہے، لیکن یہ اسطرح سے اپنا کرتب نہیں دکھا پائے گا جتنی کہ وہ اس سے توقع رکھتے ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں ہے کہ سردار اختر مینگل اثر و رسوخ رکھتے ہیں لیکن انکی مشروط اطاعت نے بہت سے بلوچوں کو ان سے دور کردیا ہے اور انکی طاقت کی اساس تیزی سے ڈھیہ جائیگی، تاہم شاید بعض لبرل حلقوں میں انہیں حمایت حاصل ہوجائے۔

سوال یہ ہے کہ مینگل کی قیادت والی سرکار رئیسانی کی قیادت والی موجودہ حکومت سے زیادہ بلوچ دوست ہوگی؟ مجھے نہیں لگتا کہ اسکا نصف امکان بھی موجود ہو۔ فوج اور افرنٹیر کور ماضی کی طرح اپنی حکومت جاری رکھیں گے، صرف مینگل کے سابقہ حزب اختلاف کے رہنماء ہونے کے سبب ان کے اقدامات کو زیادہ واضح جواز فراہم ہوگا۔ وہ زیادتیوں کو احترام مہیا کرینگے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنی بقا کو یقینی بنانے کیلئے وہ ماضی کی زیادتیوں کیلئے عذر پیش کرینگے۔ وہ اس جمود کو چیلنج نہیں کرینگے کیونکہ نئی نوآبادیات کے رہنما اصول یقیناً ابھی تک قائم و دائم ہیں۔ اپنی شاندار کتاب ٹنڈر باکس پاکستان کا، ماضی اور مستقبل میں ایم جے اکبر اسکی وضاحت اس طرح سے کرتے ہیں ''نئی نوآبادیت کی دی گئی آزادی کی شرط یہ ہے کہ آپ اس کا استعمال نہیں کرینگے یہ بالکل اسی طرح ہوگا اگر جب کبھی بھی اختر مینگل بلوچستان حکومت کے برائے نام سربراہ بن جائیں۔۔۔۔

مظلوموں کا اپنی آزادی کی لڑائی خود لڑنے پر یقین ہونا لازمی ہے۔ یہ کوئی ایسی شے نہیں جو انقلابی قیادت انہیں بطور تحفہ پیش کرسکتی ہے بلکہ یہ یقین مظلوموں کا اپنی سماجی حقیقت کے تنقیدی ادراک کے حصول کے نتیجے میں ہی پیدا ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔((پاؤلوفریرے))

جبری گمشدگیاں بلوچستان میں ہورھی ھیں، چاند پر نھیں

فیض بلوچ

عرصہ دراز سے سوشل میڈیا پر مسنگ پرسنز کے کیمپ واحتجاجی مظاہروں کی جو تصویریں گردش کر رہی ہیں وہ دراصل بلوچ لواحقین کی نہیں ہیں بلکہ یہ تو ناسا کو سیٹلائٹ کے ذریعے موصول ہونے والی چاند پر بسنے والی ان خلائی مخلوقات کی ہیں جنکا دعویٰ ہے کہ 1969 میں جب پہلی بار نیل آرم اسٹرونگ نے چاند پر غیر قانونی طور پر قدم رکھا تو چاند کی غیرت مند مخلوق نے اسے اپنی سالمیت پر حملہ تصور کرتے ہوئے اسکی بھرپور مخالفت کی تھی اور انکا شدید ردعمل نیل آرم اسٹرونگ کو شدید ناگوار گزرا تھا اور بس اسی دن سے جبری گمشدگیوں کا نہ رُکنے والا سلسلہ جاری ہے تو ایسے میں اس بات کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ یہ تصویریں نہ ہی چاند سے موصول ہوئی ہیں اور نہ ہی ناسا نے انہیں شائع کیا ہے بلکہ یہ دعویٰ تو اس قدر بے بنیاد ہے جیسے کے رحمان ملک کی من گھڑت باتیں، یا پھر سوشل نیٹ ورک پر شائع ہونے والی نائیجیریا میں آئل ٹینکر سے جھلسنے والے لوگوں کی لاشیں، یا پھر تھائی لینڈ میں سیلاب سے متاثر وہ افراد کہ جنہیں پاکستانیوں نے برما کے مسلمانوں کی نسل کشی کا نام دیا۔ اب ایسے میں اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگی کا پاکستان کے دس روزہ دورے پر آنا اور جبری طور پر گمشدہ افراد کی تفصیلات اکھٹا کرنے کیلئے پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ اور مقبوضہ بلوچستان کا دورہ کرنا، ایک جانب تو پاکستانی نام نہاد جمہوری حکومت کا کہنا ہے کہ اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ انکی خاص دعوت پر آیا ہے تاکہ دنیا کو گمراہ کرتے ہوئے یہ باور کرا سکیں کہ بلوچستان میں جبری گمشدگیوں کا معاملہ اس قدر سنگین نہیں ہے کہ جتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب پاکستان کے عدالتی نظام اور چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بلوچ مسنگ پرسنز کی بازیابی کیلئے سنجیدگی اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ سے ملنے سے انکار کرنے پر ظاہر ہوگئی۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ملنے سے معذرت کی یہ وجہ بتائی کہ مسنگ پرسنز کا کیس پہلے سے عدالتوں میں ہے تو ایسے میں جسٹس ریٹائرڈ جاوید اقبال کو ورکنگ گروپ سے ملنے اور گمراہ کن بریفنگ دینے کی اجازت کس نے دی۔۔؟ اور انکے لیئے خاص گنجائش کیوں۔؟ اور بذات خود چیف جسٹس ورکنگ گروپ سے ملنے سے آخر کیوں کترائے۔۔؟

اسکے کئی سارے وجوہات ہیں مگر سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے تمام دوسرے اداروں کی طرح جوڈیشل سسٹم کا ریموٹ کنٹرول بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے کہ جنہوں نے بلوچستان میں ظلم وبربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ بلوچ نوجوانوں کی اغواء نما گرفتاریاں ہوں، یا پھر حراستی قتل، سبھی کے کرتا دھرتا وہی ہیں کہ جو (جی۔ایچ۔کیو) کی چار دیواری سے تمام فیصلے کرتے ہیں۔ اگر عدالتی نظام آزاد ہوتا تو آئی جی ایف سی کی عدالت میں غیر حاضری کی صورت میں کنٹیمپٹ آف کورٹ لازمی لگتا، یا پھر ایف سی اہلکاروں کو سزا نہ سہی، معطل کرنے کیلئے سی سی ٹی وی کی وہ فوٹیج ہی کافی تھی کہ جس میں انہیں تین بلوچ نوجوانوں کو کوئٹہ سے اٹھاتے ہوئے دکھایا گیا ہے مگر ایسا بھی نہ ہوسکا۔ پچھلے چند مہینوں سے چیف جسٹس کے بلوچ مسنگ پرسنز کیسز کی ہیئرنگ کیلئے کوئٹہ میں مسلسل دورے کرنے کا بنیادی مقصد اس انٹرنیشنل پریشر کو کم کرنا تھا کہ جو پاکستانی فوج وخفیہ اداروں کی بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی وجہ سے پیش آرہا تھا اور چند ایک غریب غیر سیاسی لوگوں کو غائب کرنے کے بعد عدالتوں میں پیش کرنے کا ڈرامہ اس لیئے تھا کہ دنیا کو یہ باور کرا سکیں کہ پاکستانی عدالت اپنے فیصلوں میں آزاد ہونے کے ساتھ بلوچوں کو فوری انصاف فراہم کر رہی ہے کیونکہ پاکستان حکومت کے پاس پیشگی اطلاع تھی کہ آج نہیں تو کل یو این کا وفد بلوچستان میں ریاست کی جانب سے ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی بازگشت کرنے ضرور آئیگا اور ایسا ہی ہوا۔ یو این ورکنگ گروپ کو پاکستانی عدالتی نظام سے سوال کرنے سے پہلے ہی جواب مل گیا کہ مسنگ پرسنز کا مقدمہ عدالتوں میں ہے کیونکہ افتخار محمد چوہدری کے پاس ورکنگ گروپ کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں۔ پانچ سو سے زائد بلوچ نوجوانوں کو زیر حراست قتل کیا گیا مگر تمام تر ثبوتوں کے باوجود ایک کیس بھی انسٹیگیٹ نہ ہوسکا۔ اور نہ ہی چودہ ہزار گمشدہ بلوچوں میں سے کوئی ایک بازیاب ہوسکا۔ چیف جسٹس شاید وقتی طور پر اپنے فوجی آقاؤں کی کھال کو ادھیڑنے سے بچا سکیں، مگر ہمیشہ کیلئے ممکن نہیں کیونکہ انٹرنیشنل کریمینل کورٹ کا چیف جسٹس نہ تو کوئی چوہدری ہوگا اور نہ ہی کوئی آرائیں۔

ایک جانب پاکستانی پارلیمنٹ و میڈیا یو این وفد کی آمد کو ملکی سالمیت پر حملہ تصور کر رہے ہیں تو پھر اسی یو این کی رُکنیت سے پاکستان دستبردار کیوں نہیں ہوجاتا۔؟ اور دوسری جانب پاکستانی فوج کی سویلین ونگ دفاع پاکستان کونسل کی جانب سے بلوچستان میں لانگ مارچ کا اعلان کرنا دراصل یو این وفد کا دورہ بلوچستان کو سبوتاژ کرنا ہے مگر یو این وفد ہر صورت بلوچ مسنگ پرسنز و شہداء کے لواحقین سے اپنی ملاقات کو یقینی بنائے تاکہ وہ اصل حقائق کو جان سکیں کہ جو ہزاروں بلوچ جو جبری طور پر گمشدہ کیئے گئے ہیں یا پھر سینکڑوں نوجوانوں کو دوران حراست قتل کرنے کے بعد انکی مسخ شدہ لاشیں پھینکی گئی ہیں، انکی جدوجہد کا محور صرف اور صرف پاکستانی ناجائز قبضے کا خاتمہ اور آزاد بلوچ ریاست کی تشکیل تو تھی۔

عالمی مداخلت کا پہلا قطرہ

علی شیر بلوچ

اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگان کا اس خطے کا حالیہ دس روزہ دورہ ایک طویل عالمی بے چینی کے بعد سامنے آیا ہے اقوام متحدہ ٹیم کی آمد بلاشبہ بلوچ شہدا اور لاپتہ اسیران اور عظیم قومی جہدکاروں کی لازول تاریخی قربانیوں کا ثمر ہے، اس اقدام کے پیچھے ان سیاسی عوامل کارفرما رہے ہیں جن کی آبیاری بلوچ قومی سپوت گذشتہ کئی دہاہوں سے اپنے خون پسینے سے کرتے آرہے ہیں۔ بالآخر یہ عوامل اُس قدر توانا ہوتے چلے گئے، کہ وقتاً فوقتاً عالمی ہمدردی و حمایت کا دل جیتنے لگے۔ امریکی محکمہ خارجہ، خارجہ امور کمیٹی ارکان نمائندگان انسانی حقوق کی علمبردار عالمی تنظیمیں ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہومن رائٹس واچ، ایچ آر سی پی، انسان دوست حلقوں، حق دوست دانشوروں وصحافی حضرات سمیت رواں سال کے نصف میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ہائی کمشنر نیوی پیلے نے پاکستانی خفیہ اداروں کے ہاتھوں بلوچ سپوتوں کی ماورائے عدالت گرفتاریوں، گمشدگیوں اور انسانیت سوز تشدد مسخ شدہ لاشوں کی برآمدگیوں کو سنگین انسانی مسئلہ قرار دے کر تشویشناک انداز میں کہا تھا کہ بلوچستان میں جبری گمشدگیاں قومی اور بین الاقوامی موضوع بحث بن گیا ہے۔ اور ساتھ میں بلوچستان کا دورہ نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اور شاید کہ یہ دورہ اسی امر کا تسلسل تھا۔ یو این ڈیلیگیشن کے اس پہلے اور اہم دورے کو بلوچ قوم پرست حلقوں اور محکوم بلوچ عوام کی جانب سے خیر مقدم کیا گیا۔ اور یہی اُمید باندھ لی کہ وہ ان کے دکھ درد و تکالیف کو کم کرنے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کر کے اپنے شفاف رپورٹ وسفارشات سے اپنی غیر جانبدارنہ کردار کا ثبوت دے گا۔ جب یہ ورکنگ گروپ پاکستان پہنچا تو ریاستی ڈھانچے کو پے در پے خطرات کے جھٹکے لگے۔ پاکستانی سینٹ و پارلیمنٹ اور نام نہاد عدلیہ نے اسے ریاستی سالمیت وخود مختاری پر حملہ قرار دیا جبکہ دیگر ملٹری و انتظامی ادارے دل ہی دل میں نفرت و غصّے کا لاوا اگلتے پھرے اور مختلف پیرائے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔ لطف یہ ہے کہ پاکستان میں انسانی حقوق کے بلند و بالا دعویدار تنظیموں کے سامراجی فرمانبردار کارندے انسان حقوق کے دفاع میں معاون ہونے کے برعکس پاکستانی بدنامی اور اس کے وجود کے فکر سے دامن گیر ہو گئے اور اس پورے دورانیے میں وہ اسی کرب کا شکار ہو کر رہ گئے۔

فوج خفیہ اداروں کے متعلقہ حکام واہلکاروں نے اقوام متحدہ ٹیم کی درخواست کے باوجود ان سے اپنا شرمناک چہرہ چھپانے میں عافیت جانی۔ چیف جیٹس آف پاکستان کو بھی پاکستان کی بدنامی کا دکھ ستانے لگا اور ملاقات سے اجتناب کیا اور یہی نہیں انہوں نے اقوام متحدہ وفد کی آمد کو نوٹس لیتے ہوئے اسے اپنی پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف قرار دیا اور شدید مذمت سے اپنی متضاد کردار کو اور منفی بناڈالا۔ وہ چیف جسٹس جو گذشتہ کی مہنیوں سے ماورائے عدالت گرفتاریوں اور مسخ لاشوں پر نمائشی ساعتوں کے ذریعے بلوچ عوام کو بیوقوف بنانے میں مصروف کار تھے اور مذکورہ ساعتوں کے دوران بظاہر آگ بگولہ ہو کر خفیہ ایجنسیز اور ایف سی کو براہ راست موردالزام ٹھہراتے رہے حتی کہ آئی جی ایف سی کی گرفتاری کے نمائشی اور فریب جملے کہتے رہے لیکن حقیقت میں وہ بلوچ ہمدردی سے عاری اس پورے سلسلے میں ریاستی خونخوار عزائم اور کالے کرتوتوں کو قانونی جواز مہیا کرنے میں دن رات ایک کر رہے تھے اور ان پر پردہ ڈالتے رہے لہذا وہ ریاستی مفادات سے پہلوتہی کر کے کسی بھی طرح یو این ورکنگ گروپ کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے۔

اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ جب کراچی سے ہوتا ہوا دو 2 روزہ مختص دورے پر کوئٹہ پہنچا تو پاکستانی سفاک ریاست حسب روایت ان کی عالمی اہمیت کو خاطر میں نہ لا کر للکارتے ہوئے مقبوضہ بلوچستان کے مختلف علاقوں سے گولیوں سے چھلنی مزید چھ 6 لاشیں اور 8 مری بلوچوں کی کوئٹہ ہی سے اغواء نما گرفتاری کی کارروائیوں سے ان پر نفرت اور ہٹ دھرمی کے متعدد تہر پھینکے۔ جس طرح اس سے قبل امریکہ میں بلوچ قومی مسلے پر عوامی ساعت کے جواب میں انسانیت کی تذلیل کنندہ ریاست پاکستان نے بلوچ قومی رہنما سنگت ثناء بلوچ کی لاش مسخ

کر کے عالمی رائے عامہ کا تمسخر اُڑایا تھا۔اور اس مرتبہ بھی دنیا کے غیر جانبدار طا قتور ترین ادارے کو لاشوں کے تحفے تھما کہ یہ پیغام دیا گیا کہ پاکستان بلوچ و بلوچستان بارے کسی عالمی ڈسپلن و قانون کا پابند نہیں وہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے اور نہ ان کا احترام کرتا ہے یقیناً یہ پاکستانی ریاست کی انتہائی شرمناک کر توتوں پر مبنی ہٹ دھرمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔شاہد کہ یو این ڈلیگیشن کو اس با ت کا احساس وادارک ہو چکا ہو۔ہماری ناقص خیال میں یہ عمل آگے چل کر پا کستان سامراج کیلئے انتہائی مہلک ثابت ہوگا۔

کوئٹہ کے ایک مقامی ہوٹل میں اقامت پزیری کے دوران تمام تر رکاوٹوں اور دھونس دھمکیوں کے باوجود اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ سے مختلف قوم پرست تنظیموں ،غیر جانبدار حلقوں اور انسانی حقوق اداروں کے نمائندہ ں نے ملاقاتیں کیں۔وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز اور بلوچ نیشنل وائس نے خواتین بچوں سمیت 14 چودہ ہزار سے زائد بلوچوں کے اغواء اور 500 کے قریب بلو چ نو جوانوں کی مسخ شدہ لاشیں ملنے سمیت بلوچستان کی خونی صورتحال سے مختلف یو این نمائندوں کو آگاہی فراہم کی بی۔این۔وی کی جانب سے ایک ڈسک گروپ کے حوالے کی گی۔جس میں گذشتہ کی عشروں سے بلوچستان بھر سے اغواء ہونے والے بلوچ سیاسی فرزندوں کی تفصلی فہرست بمعہ تصاویر، پا کستانی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیز کے ہاتھوں دوران حراست شہادت پانے والے بلوچ نو جوانوں کی مکمل فہرست ،گولیوں سے چھلنی مسخ شدہ لاشوں کی تصاویر، ویڈیو کلپس ،بلوچستان میں فوجی یلغار کے دوران شہید ہونے والے بلو چ خواتین و بچوں کی تصاویر سالنامہ رپورٹس، پاکستانی اسٹیٹ آفیشلز کی جانب سے بلوچ نسل کشی کے احکامات پر مبنی بیانات سمیت اہم ترین شواہد شامل تھے ۔بی ایس او آزاد کے نمائندہ وفد نے دوران ملاقات بلوچستان کی تاریخی حیثیت قبضے کے بعد جنم لینے والے حالات ،زمینی حقائق ،حقائق پر مبنی کوائف ودستاویزات اور عالمی جنگی قوانین کی پامالیوں پر تفصلاً بات چیت کی اور اس حوالے سے شواہد پر مبنی مختلف ویڈیو رپوٹس پیش کئے ،سامراجی بربریت اور فوجی کاروائیوں کے دوران مقامی باشندوں کی نکل مکانی اور لاپتہ افراد کے مسئلے کا براہ راست پاکستانی قبضے سے منسلک ہونے کا حقیقت پسندانہ قومی موقف پیش کیا گیا اور اور اقوام متحدہ کی فوری مداخلت اور امن کمیشن تشکیل دینے کا مطالبہ کیا اس موقع پر بلوچ شہداء اور لاپتہ افراد کے لواحقین کی بھاری تعداد عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے ہوٹل کے باہر موجود تھی۔

جبکہ دوغلہ پالیسی پر کاربند چند ایک سرکاری مقامی جماعتیں بھی بلوچ قوم کے مظلوموں سے ہمدردی جتانے اور عالمی تنظیم کے نمائندوں کو گمراہ کرنے ان سے جا ملے۔بعض نے اس پرُ اُشوب صورتحال کو اپنی کارکنوں کی ہلاکت تک محدود رکھ کر اصل معاملات کو گربڑ کرنے سعی لاحاصل کی۔اور خود کو حقیقی نمائندے کے طور پیش کر کے پاکستانی قابض ریاست سے مجموعی طور پر خوش ہونے کا تاثر چھوڑنے اور اپنی کھوئی ہوئی اقتدار کو موضوع بحث بناڈلا۔کیونکہ بقول ان کے ما ضی میں ان کی منتخب حکومت کا خاتمہ کر کے خود ساختہ اور جعلی قیادت سامنے لائی گئی ہے، گلے شکوے سے لبریز اس قلیل سرکاری ٹولے کو غالباً اس وقت ضرور شرمندگی ہوئی ہوگی جب قومی ریڈیکل تنظیموں اور انسانی حقوق کی تحفظ میں شب وروز ایک کرنے والے عوامی نمائندوں نے حقائق پر مبنی کوائف وثبوت پیش کئے اور ماحول کو حق پرستی کی جانب ہموار کیا،تب نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اس پر تصدیق مُہر ثابت کرنا پڑا اور وہ لاحاصل اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ گئے ۔ساتھ ہی ساتھ اس میں کوئی تعجب بھری بات نہیں تھی کہ پاکستانی میڈیا نے اس ساری گہما گہمی کو کور کرنے سے اجتناب کیا، کیونکہ اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ تھی پاکستان کی بدنامی و بقاء کا مسئلہ!لہذا میڈیا سمیت کسی بھی ریاستی ادارے سے خیر سگالی کی اُمید رکھنا ایک سہانا خواب کے سوا اور کچھ نہیں یہ تمام ادارے ایک ہی باڈی کے مختلف پارٹس کی مانند ہیں،اور اسی بے حسی میں انکی عاقبت کا راز مضمر ہے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے بلوچ نمائندہ وفود کو یقین دلایا کہ یو این کی پہلی وفد بھیجنے کا مقصد واضح ہے کہ انہیں یہاں کی صورتحال پر تشویش لاحق ہے لیکن موجودہ وفد کا منیڈیٹ چونکہ محض جبری گمشدگیوں سے متعلق حقائق معلوم کر کے اپنی سفارشات مرتب کرنا ہے اسی لئے وہ بلوچ قوم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یو این وفد کو بلوچستان کی سنگین صورتحال کا احساس ہے اور وہ اپنی جا مع رپورٹ پیش کرتے وقت یو این کے اعلی سطحی 25 رکنی وفد کے دورہ بلو چستان کی سفارش کریں گے اور انہیں جبری گمشدگیوں سمیت ہر قسم کی ریاستی ظلم و جبر کی تحققیات کرنے کا اختیار حاصل ہوگا جو کہ خوش آئند ہے۔جبکہ قوم پرست تنظیموں کے نمائندوں نے پاکستانی اداروں کی جانب سے دھونس دھمکیوں اور

ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کرنے کے باوجود بلوچستان کے دور دراز علاقوں سے بلوچ فکری فرزندوں کی یو این وفد کو اصل صورتحال سے آگاہ کرنے کو دشمن کی شکست وریخت کی نوید اور اس عمل کو اہم پیشرفت قرار دیا۔

علاوہ ازیں پاکستانی بغل بچہ حمایت نیشنل پارٹی اس ساری صورتحال سے مُنہ موڑتا رہا اب یہاں غور کرنے کا مقام ہے جس طرح آئی ایس آئی اور پاکستان فوج کے متعلقہ حکام نے ملاقات سے انکار کیا تو این پی نے بھی یو این ڈلیگیشن سے ملاقات کو پاکستانی سالمیت وخودمختاری کے خلاف سازش گردانتے ہوئے ،خود کو ہُو بہو پاکستانی فوج وآئی ایس آئی کا دست وبازو ثابت کیا، کہ پاکستان کی بدنامی اور وجود کے حوالے سے جتنا درد وتشویش وہ اپنے سینے میں رکھتے ہیں این پی دوگنا اس کیفیت اور پریشانی سے دوچار ہے لہذا بلوچ قوم اور مظلوم عوام کے لواحقین کو یہ خاموش پیغام دیا کہ انہیں آپ کے دکھ درد سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ ان کی اور آپ کی حیثیت الگ ہے لہذا وہ اپنے بلوچ دشمن مشن پر علی الاعلان کاربند رہے گا۔ بی این پی عوامی بھی اسی سکّے کا دوسرا رُخ نکلا اور جس طرح آئی ایس آئی کے ایک ریٹائرڈ جنرل امتیاز نے انکشاف کیا تھا کہ احسان شاہ نے حاصل خان بیزنجو کے ساتھ مل کر 90ء کی دہائی میں آئی ایس آئی سے قوم دشمنی کے بدلے رقوم حاصل کئے تھے، تب سے وہ دشمن فورسز سے وفاداریاں سر انجام دینے کے وعدے پہ قائم ہیں، بھلا انہیں اس مسئلے سے کیا تعلق!!!

یو این ڈلیگیشن نے دورے کا رپورٹ مرتب کر کے آخری روز اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس کی جس میں انہیں اس بات پر شدید حیرانگی ہوئی تھی کہ پاکستان حکام کی جانب سے لاپتہ افراد کے حوالے سے جو اقدار 100 کے قریب بتائی گئی تھی، کتنا بڑا اور سفید جھوٹ تھا، اور یہ تعداد 14000 کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ لوگوں کو دن دھاڑے اغواء کیا جاتا ہے، اگر واقعی پاکستانی ایجنسیز اور ملٹری دستے خود کو اس سے بری الذمّہ ٹھہراتے ہیں تو کیوں وہ انہیں جبری طور لاپتہ کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں؟ گروپ کو اس سوال کا جواب پاکستانی عسکری حکام سے پوچھنے کا موقع میسر نہیں آیا تھا۔

انہیں اس بات کا بخوبی ادراک ہو چلا کہ بلوچ شہید وگمشدگاں کا مسئلہ خالص سیاسی ہے، جو ریاست کی چھتری تلے فروغ پانے والی فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کی بنیاد پر ہلاک ہونے والوں کے مسئلے سے صریحاً الگ ہے، جسے بلوچ قومی تحریک آزادی کو عالمی سطح پر بدنام اور کمزور کرنے کی مد میں بجالایا جارہا ہے وہ 2013 کو اقوام متحدہ کے ہومن رائٹس کونسل کے اجلاس میں اپنا مرتب کردہ رپورٹ پیش کریں گے۔

گوکہ پاکستانی وزارت دفاع کے مطابق ورکنگ گروپ لاپتہ افراد کے متعلق اپنی رپورٹ پہلے وزارت خارجہ کو ارسال کرے گا رپورٹ کا تفیصلی جائزہ اور تجزیہ کرنے کے بعد ہی اس کے اجزاء کے متعلق جواب دیا جائیگا۔ ہماری ناقص خیال میں ان کے ساری دھندلاہٹ اور تحفظات کے باوجود بھی اس عالمی غیر جانبدار تنظیمی وفد سے اُمیدیں وابستہ کرنی چاہئیں کہ وہ بلوچ قوم پر سامراج پاکستانی کی جانب سے ڈھائے گئے مظالم کو عالمی برداری کو بتانے میں معاون ہو گی۔ اور ساتھ میں یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہے کہ اقوام متحدہ کی عالمی ریاستوں میں براہ راست مداخلت کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں لیکن ایسی صورت میں جب حالات سنگین انسانی المیے کا رُخ اختیار کر لیں تو اقوام متحدہ کو بتدریج مداخلت کا اختیار پہنچا جاتا ہے پاکستانی وزارت خارجہ اور اقوام متحدہ کے درمیان کوئی معاہدہ ہو یا نہ ہوتاہم عالمی ادارے کی بلوچستان مسئلے سے دلچسپی دباؤ اور دورے کو عالمی مداخلت کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اور اس سنگین انسانی بحران کے ماحول میں پاکستان جیسے شاطر ومکار ریاست میں اقوام متحدہ ٹیم کا کامیاب دورہ اور حالات وواقعات پر تحقیقی نظر کسی پُرخطر بیابان کو سر کرنے سے کم نہیں اور بلوچ قومی تحریک آزادی وبلوچ قوم کے مستقبل پر ان ممکنہ فوائد کے رُونما ہونے کے روشن وقوی امکانات ہیں۔۔

تعمیر وکیلئے تخریب نہ صرف ضروری ہے بلکہ ناگزیر ہے۔ انقلابیوں کو اسے اپنے پروگرام کے ایک اہم شق کے طور پر استعمال کرنا ہے۔

☆☆**بھگت سنگھ**☆☆

سامراج کی موت.....دیباچہ

فرانز فینن

نوٹ :یہ مضمون نامور انقلابی دانشور فرانز فینن کی کتاب ''سامراج کی موت'' کا دیباچہ ہے۔جس میں الجزائری تحریک آزادی کے دوران کے حالات کا احاطہ پیش کیا گیا ہے۔جسکے مطالعے کے بعد قارئین یہ بات بخوبی سمجھنے میں کامیاب ہوجائیں گے کہ الجزائر کی تحریک آزادی اور بلوچ تحریک آزادی کے دوران پیش آنے حالات و واقعات میں کتنی مماثلت ہے۔

آزادی الجزائر کے لئے لڑی جانیوالی جنگ چھٹے سال میں داخل ہونے والی ہے۔(واضح رہے کہ فینن نے یہ کتاب 1959 میں لکھی تھی) ہم میں سے کسی ایک شخص کو یہ گمان تک نہ تھا کہ 60 ماہ کی اس عزم آرائی کے بعد بھی فرانس اسی ڈھٹائی کیساتھ اپنے خونی پنجے الجزائر کی سرزمین میں گھاڑھے رکھے گا۔اور مقامی لوگوں کی آواز کو اٹھنے نہیں دیگا۔جد وجہد آزادی کے سال بعد بھی کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی۔فرانسیسی حکام مسلسل بضد ہیں کہ الجزائر پر ان کا حق ہے۔اس جنگ نے پوری الجزائر کو خواب خرگوش سے بیدار کر دیا ہے۔اور اب لوگ اپنے کم و بیش تمام وسائل اور چھپے ہوئے خزانوں کو لے کر سامراج کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں۔اس دوران انہوں نے اپنے غیر ملکی آقاؤں سے کوئی اظہار ہمدردی کا تقاضا نہیں کیا۔اس کے لئے کہ سامراج نے شاید انہیں ایسا کرنے کی اجازت ہی نہ دی۔ الجزائر کی سرزمین پر سامراج کے خلاف تاریخ کی خطرناک جنگ لڑی جارہی ہے۔تحریک آزادی کے مخالفین کا دعویٰ ہیکہ جنگ کی قیادت کرنے والے لوگ نہتے عوام کے خون کے پیاسے ہیں۔دوسری طرف جمہور نواز قوتوں کا اسدلال ہے کہ لبریشن فرنٹ کی قیادت اپنے لوگوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونک کر سخت غلطی کا مرتکب ہورہی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ اب تحریک کی قیادت لوگوں کی ان باتوں کان دھرے تو کیا وہ ظالم اور جابر سامراج کے خلاف اپنی جد وجہد جاری رکھ سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب لبریشن فرنٹ آزادی کی جنگ کے لئے فرانسیسی فوجیوں سے نبرد آزما تھا تو اس نے اپنے فوجی دستوں کو اس بات کی پوری تلقین کی کہ اپنی مقصد کی حصول کے لیئے تم دشمن کے دستوں اور ٹھکانوں کو نشانہ ضرور بناؤ۔لیکن اس حقیقت اور اصول کو کبھی فراموش نہ کرنا کیونکہ اپنے عظیم مقصد کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع کا استعمال اچھائی کے بجائے مزید ظلم و بربریت کی طرف لے جاتی ہے۔اگر مغربی اقوام کا کار زار حیات میں ظلم وتشدد کا بازار گرم رکھتی ہے تو اس کا صاف مطلب ہے کہ وہ اپنے نظریے کے ساتھ مخلص اور وفادار نہیں ہے۔اور اگر تیسری دنیا کی تحریکیں اپنے مقصد کے حصول کے لئے تشدد کی مرتکب ہوتی ہے۔تو ان پر بربر اور ظالم ہونے کا الزام دہرایا جائیگا۔لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہیکہ عزم حق و باطل کے دوران اپنے اخلاقی اصولوں کی پاسداری ممکن ہے؟ اس کے لئے ہم الجزائر کے ڈاکٹر کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جس نے اپنے پیشہ ورانہ کارکردگی کے دوران انتہائی ایمانداری اور فرض شناسی کا مظاہرہ کیا ہوا یوں کہ ایک محاذ پر دشمن کے 30 فوجیوں نے اسلحہ ختم ہونے پر پھینک دیئے۔مجاہدین نے انہیں گرفتار کر کے انہیں زدکوب کیا۔لیکن ڈاکٹر نے اس دوران قیدیوں کو نہ صرف مزید تشدد سے بچایا بلکہ انہیں ابتدائی طبی امداد فراہم کرنے کے لئے ہنگامی حالت میں دشوار ترین راستے سے قیدیوں کے کیمپ روانہ کیا۔اس دوران دو الجزائری مجاہدین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔اسی طرح ایک فوجی دستے کو دشمن کے قیدیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم ملا۔اسی دوران مجاہدین نے دشمن قیدیوں سے کچھ کہے سنے بغیر متعینہ منزل پر پہنچا دیا۔حال ہی میں فرانسیسی وزیر اطلاع نے میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ مجاہدین آزادی فرانسیسی فوجیوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے سے نہیں

ہچکچاتے ۔اس دوران شاید موصوف بھول گئے ہیں کہ فرانسیسی دستوں نے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو کس طرح خال وخون میں نہلایا۔ اور ہنوز ظلم و بربریت کا یہ سلسلہ جاری ہے یہاں میں واضح کر دینا چاہوں گا کہ دشمن کے پروپیگنڈے میں کوئی صداقت نہیں ۔ حقیقت یہ ہیکہ حق و باطل کے اس معرکہ آرائی میں جس حد تک دشمن چلا گیا ہے ہم کبھی اس کا تصور نہیں کر سکتے ۔لیکن کاروان آزادی کے سفر میں ایسا ممکن نہیں کہ ہمارے دامن پر خون کے دھبے نہ ہوں لہٰذا ہم نہ اس سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرینگے نہ ہی اس کا انکار کرینگے ۔ اگر ہماری یعنی مجاہدین کی یونٹوں سے چھوٹی موٹی لاپرواہی ہو جائے تو دشمن اس کو خوب اُچھالتا ہے اور لبریشن فرنٹ قیادت کو ان بے اعتدالیوں کے لئے مورد الزام ٹھراتا ہے ۔ حالانکہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ قیادت کو اتنی بڑی تعداد کو اکھٹا لے کر چلتے وقت کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس دوران قیادت کی کوشش ہوتی ہیکہ انکے کسی جوان سے کوئی غلطی یا زیادتی نہ ہو جائے ۔ وہ اپنے کارکنوں کی تمام کھلی اور چھپی سرگرمیوں سے من وعن واقف ہوتے ہیں ۔لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی ایسا کام ہو جائے جو بظاہر ضابطے کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہو تو قیادت کے پاس اسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔مثال کے طور لبریشن فرنٹ کے مقامی ذمہ دار نے اپنے ساتھی کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ تحقیق کرنے پر اس نے موقف اختیار کیا کہ مرنے والے نے پارٹی منشور کے خلاف غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ اسی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس دوران قیادت صرف ضمیر کے بل بوتے پر ہی فیصلہ کرسکتی ہے ۔ بصورت دیگر اس کے پاس کوئی ایسے شواہد نہیں ہوتے کہ انکی بناء پر وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرسکیں ۔ لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آازادی کی اس راہ میں جدوجہد کرنیوالی اتنی بڑی تعداد کے لئے کسی سخت ضابطہ کی پابندی بہت مشکل ہے ۔ اور پھر ایسی حالت میں جب مقابلہ بھی ایک استعماری قوت ہو جو اپنی مادی وسائل کے حوالہ سے بہت زیادہ منظّم ہو۔ اس کے برعکس ہم دشمن کی بربریت اور مظالم کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جو اس نے نہتے لوگوں کے ساتھ روا رکھے ۔ سویڈش صحافی نے ایک فرانسیسی کیمپ کا جہاں ہزاروں الجزائری باشندوں کو پابند سلاسل کیا گیا ہے کا دورہ کرنے کے بعد اپنے روزنامچے میں لکھی ہے کہ ’’کیمپ کی اگلی قطار میں ایک ساتھ سالہ بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے جسم پر لوہے کی تار سے تشدد کیئے جانے کی وجہ سے بیسیوں نشانات تھے ۔ فرانسیسی فوجیوں نے اس بستی پر حملے کے دوران اسکی ماں کے ساتھ بدفعلی کی اور ازاں بعد اس کے بھائی اور باپ کو لقمہ اجل بنا دیا۔کیمپ کے انچارج فرانسیسی کرنل نے بچے کو کئی روز تک سونے نہیں دیا تاکہ وہ اپنے اور خود کے اہلخانہ کے ساتھ ہونے والے تشدد کو اپنے حافظے سے فراموش نہ کرسکیں ۔ یہی اخبار نویس آگے چل کر لکھتی ہیکہ میں نے بچے سے پوچھا اسکی آرزو کیا ہے؟ اس نے بلا جھجک اور بغیر کسی تذبذب کے جواب دیا کہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہیکہ کوئی بدیسی یعنی فرانسیسی فوجی میرے ہاتھ لگے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں‘‘ کیا اب کوئی وثوق کیساتھ کہہ سکتا ہیکہ سات سالہ بچہ آسانی کے ساتھ ان تلخ یادوں کو اپنے دماغ سے بھلا پائیگا ۔ ایک طرف سامراج نہتے مقامی لوگوں پر بے پناہ مظالم ڈھاتا ہے اور دوسری طرف ان سے جمہوری انداز میں سوچنے کی توقع رکھتا ہے ۔ چند عرصہ قبل کون کہہ سکتا تھا کہ فرانسیسی سامراج جگہ جگہ اپنے خونی پنجے گاڑھنے کے لئے اتنی ڈھٹائی کا مظاہرہ کریگا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ الجزائری باشندے ظلم و جبر کی داستان اپنے خون سے رقم کریں گے ۔ اور سامراج کے خلاف شدید مزاحمت کا مظاہرہ کریں گے ۔ ہمیں اپنے آپ کو کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے ۔ اس وقت سامراج کے ساتھ نبرد آزما نسل پرانی سے مختلف ہے ۔ نہ اس کے رویے میں لچک، نہ پاؤں ثقل ۔ یہ بالکل تازہ دم اور جوان جزبوں کے تحت پروان چھڑی ہے ۔ اپنے ہزاروں ساتھیوں کے پابند سلاسل ہونے کے بعد چھین سے نہیں بیٹھ سکتے ۔ یہ آزادی کے حصول کے لئے بے پناہ جزبوں کے مالک عزم صمیم کی علم بردار، نڈر، بے باک اور بے خوف ہو چکی ہے ۔ وقت سے بے خوف، سامراج سے بے خوف، ظلم و تشدد سے بے خوف استعمار کی کمینگی سے بے خوف اپنے نفس کی کمزوریوں سے بے خوف، ہاتھوں میں بندوق اور لبریش آرمی کا ممبر ہونا ہی ان کے لئے سب سے بڑے اعزاز کی بات ہے ۔ دشمن کی غلبے اور غلامی کی فضاء میں زندگی اپنی حیثیت کھو چکی ہے ۔ آج کل الجزائر ایک عجیب کشمکش سے دوچار ہے ۔ جس

سے وہ کسی طرح پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ خود سامراج اس حقیقت کو تسلیم کر چکا ہے لیکن وہ جان بوجھ کر انارکی کی اس فضاء کے تاریخ کے دھارے کو الٹا چلانا چاہتا ہے۔ جو کہ اسکی خام خیالی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہیکہ خود فرانس کی قومی اسمبلیوں میں الجزائر کے نمائندوں کے لئے اَسی نشستیں مخصوص ہیں۔ لیکن حالت اس دوراہے پر آ گئے ہیں کہ اب یہ سیاسی چالیں اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں۔ کرہ ارض کے کسی بھی کونے میں بسنے والا الجزائر کا باشندہ خواہ وہ مرد ہو یا عورت خود سے سوال کرتا ہے کہ اگر ان سیاسی نشستوں کی کوئی اہمیت ہے تو پھر سامراجی ٹولے کا یہاں کیا کام ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ اب الجزائر کا باشندہ اپنے گلے سے غلامی کا طوق اتار پھینکنے کے درپے ہے۔ وہ اس خونی کھیل کا خاتمہ اور حق و باطل کی عزم آرائی کی کوکھ سے ایک زندہ آزاد اور خودمختار الجزائر کا متمنی ہے۔ بظاہر لگتا ہیکہ اس جنگ کی شدت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ فرانسیسی فوج مزید جارحانہ کارروائیوں کے لئے پر تول رہی ہے۔ حریف قوتوں کے مابین جنگ جاری ہے۔ ہر کوئی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ جنگ نے سب سے mobidity کی صورت کیوں اختیار کر لی ہے۔ ان کے ذہنوں میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ جو ان سوالات کے جوابات ہر صورت میں چاہتا ہے۔ زیرنظر صفحات میں میں نے ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے آج الجزائر کے مردوں عورتوں اور جوانوں کو 1930 کی نسل سے کوئی resemblance نہیں۔ نہ ہی یہ 1954 کے دھائی کے لوگ ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ 1957 کے لوگوں سے بھی مختلف ہیں۔ پرانا الجزائر کا عالم پیر مر گیا۔ وطن عزیز کی سرزمین پر اتنا معصوم خون بہہ گیا جس سے نئی نسل کی آبیاری ہوئی ہے۔ اور کسی کی نظر سے یہ حقیقت اُوجھل نہیں رہنی چاہئے۔ استعمار نے اپنی قوت کے بل بوتے پر اعلان کر دیا ہے کہ وہ الجزائر کی سرزمین پر بسنے والے لاکھوں، کروڑوں باشندوں کو تشدد پسند مجاہدین کے حوالے نہیں کرے گا۔ نہ صحرا کے وسائل سے کسی قیمت دستبردار ہوگا۔ لیکن یہ اسکی خام خیالی ہے کہ وہ لوگوں کی اختلافی اور جمالی قوت کو صلب کر کے انہیں اپنے زیرسایہ نہیں کر سکتا۔ وقت بدل چکا ہے۔ زیرمطالعہ قرطاس میں ہم اپنے قاریوں پر واضح کرینگے کہ من حیث القوم الجزائری معاشرہ کا اپنا ایک وجود ہے۔ جسے کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بہت سے ممالک نے اب سامراجی استبداد سے رہائی کے لئے جو جد جہد شروع کی اس میں ایک ہی سیاسی جماعت پیش پیش تھی۔ لیکن الجزائر کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہاں قومی خود آگاہی اجتماعی دکھ درد اور خوف و ہراس نے لوگوں کو یہ بات سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ اپنی قسمت اپنے ہاتھوں میں لینے کے علاوہ انکی بقاء کسی چیز میں نہیں۔ الجزائر ایک خودمختار ملک ہے اس کے باشندے خود کو مقتدر خیال کرتے ہیں۔ صرف فرانس کو اس حقیقت سے آشنائی حاصل کرنا ہے اور یہ چیز انتہائی اہمیت کے حامل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرانس اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ وہ نہتے لوگوں کے سر پر تھوپی گئی جنگ سے ہاتھ کیوں نہیں کھینچتا۔ وہ الجزائر کی سیاسی قیادت کے ساتھ مزاکرات سے کیوں راہ فرار اختیار کرتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ایک روشن فکر انسان کو ذہنی طور پر تنگ کرتے ہیں اور انکے خاطر خواہ جواب کے لئے وہ مضطرب نظر آتا ہے۔ یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ ہنوز سامراج بہت طاقتور ہے۔ یا یہ کہ صحرائی لوگوں نے خود کو درپیش مسائل کی حقیقت کو مسخ کر دیا ہے۔ اصل میں بات کچھ اور ہے وہ یہ الجزائر میں روشن فکر لوگوں اور خود فرانسیسی حکومت کے لئے راستے کا پتھر یورپی اقلیت ہے۔ الجزائر ایک کالونی ہے جہاں بیرونی یورپی باشندے آ کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم جنوبی افریقہ ہے۔ یورپی اشرافیہ اس کو کسی صورت ترک نہیں کریگا کہ وہ فرانس سے اپنے تعلق توڑ لے یا الجزائر کے لوگوں پر جو ظالمانہ قوانین اس نے اپنے مفاد کے حصول کے لئے مسلط کر رکھے ہیں۔ ان سے دست بردار ہو جائیں۔ حقیقت میں یہ استعمارانہ پالیسی کا ایک تسلسل ہے۔ آج کل فرانسیسی اس پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ سیاسی اور عالمی حلقوں میں یہ افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ فرانس الجزائر میں قیام امن کا داعی ہے۔ روشن فکر ہونے کے ناطے دوراندیش اور آزاد منش لوگوں کو اس بات پر کان نہ دھرنے چاہئے۔ اسکی حقیقت ایک پروپگنڈہ کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ کہ اگر فرانس امن کا داعی ہے تو اس کے قیام کے لئے اس کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ بین الاقوامی ادارے اقوام متحدہ کے ذریعے الجزائر پر عالمی و عسکری قوت مسلط کر

دیں۔ یا پھر اپنے جاگیردارانہ مفاد کے تحفظ کے لئے الجزائر پر خود قابض رہے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو الجزائر کے سیاسی افق ہمیں قیام امن نظر نہیں آتا۔ یہ بات نوشتہ دیوار بن چکی ہے کہ فرانس زیادہ دیر تک الجزائر پر اپنا قبضہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ خواہ وہ میڈیا اور دیگر ذرائع سے اس بات کی کتنی ہی تشہیر کیوں نہ کریں۔ فرانسیسی حکومت کے سامنے دو راستے ہیں۔ یا تو چند سو جنگی مجرموں کی مخالفت کر کے اپنی ظلم و بربریت سے باز رہنے کا حکم دیں یا پھر تمام نہتے اور معصوم لوگوں کے قتل عام اور نسل کشی کا حکم دے دیں۔ حکومت فرانس انتہائی مضحکہ خیز بیانات دیئے جا رہی ہے کہ ہمیں 25 ہزار باغیوں کا سامنا ہے۔ انکے پاس بھلے ڈھیروں اسلحہ ہو انکے کس کام کا۔ کیونکہ فرانس کے باغی چند ہزار نفوس پر مشتمل ہیں۔ اگر اسکی بات مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سامراج اس قدر خائف کیوں ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ فرانسیسی استعمار کے مظالم کے ہاتھوں پورا ملک جہنم بنا ہوا ہے۔ جہاں ہر مرد عورت لبریشن فرنٹ کی قیادت سے اس لئے نالاں ہے کہ انکے ہاتھ میں بندوق کیوں نہیں تھما دی جاتی۔ اگر یہ لاکھوں مردان صدق وصفا حکومت الجزائر کی پشت پر نہ ہوتی تو حکومت کی کیا قدر و اہمیت رہتی۔ فرانسیسی حکام نے حال ہی میں تسلیم کیا ہے کہ تقریبا دس لاکھ بے خانماں لوگ از سرنو منظم ہو رہی ہے۔ وہ ان ہتھکنڈوں کے ذریعے ملکی فوج کو اپنے لوگوں سے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔ لیکن حالت بدل چکے ہیں۔ فرانسی استعمار کی جیلوں میں پابند سلاسل لاکھوں لوگوں کو پہلے ذلیل و رسوا کیا گیا۔ لیکن سامراج کو اس پر صبر نہ آیا۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر انہوں نے نہتے لوگوں کو نفسیاتی طور پر اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ تاکہ ان کے اعصابی نظام میں خلل ڈال کر انکی قوت مدافعت اور قوت ارادی کو تباہ کیا جا سکے۔ یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ سامراج کی لڑائی کا مقصد مقامی لوگوں پر حکومت اور انکے وسائل پر اپنا ناجائز قبضہ قائم رکھنے کے علاوہ کچھ نہیں یہ الجزائر میں اپنا بھرم قائم رکھتا ہے۔ جو اس نے برتر ہونے کا ڈھونگ رچا کر قائم رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر مقامی لوگوں کو اپنی سرزمین اور ثقافت سے توڑنا چاہتا ہے۔ جو انہوں نے صدیوں کی جہد مسلسل کے ذریعے اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن سامراج کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

الجزائری قوم کی منزل زیادہ دور نہیں وہ محض تخلیق کی بھول میں کھونے والی نہیں۔ اسکی کوکھ سے ایک زندہ انسان نے جنم لیا ہے جو اپنے فکر و عمل کے حوالے سے بالکل انوکھا جیسے اپنے وجود کی تشکیل نو کرتا ہے۔ یہ مفروضہ نئی نسل نے سچ کر دکھایا کہ جب انسان اپنے نفس میں انقلاب برپا کرتے ہیں تب وہ بیرونی دنیا میں تبدیلی کے درپے ہوتے ہیں اور یہ عنصر الجزائر کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی اتنا واضح نہیں ہوا جتنا کہ آج اس کے افق پر نظر آرہا ہے۔ طاقت کا امتحان نہ صرف انسان کے شعور کی تشکیل نو کرتا ہے بلکہ اس کے اردگرد ماحول حتٰی کہ اس پر مسلط ظالم حاکموں تک کو اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہیکہ یہ جدوجہد کے مختلف منازل پر نئے نئے روپ دھارتے رہتے ہیں کبھی خواب، کبھی خیال بالآخر منزل۔ آج ہمیں الجزائر کے انسان میں وہی روح نظر آرہی ہے جو تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر چلنے کے لئے بے تاب ہے کس کی جرات ہے کہ اس تحریک کو روک سکیں، اس مرحلے پر ہمیں چاہئے کہ اس تحریک کی شان و شوکت اور وجاہت جلال کو کھلی آنکھوں سے دیکھیں۔ بلکہ جن مراحل سے یہ ارتقائی حوالہ سے گزر رہی ہے اس کا بھی بغور مشاہدہ کریں۔ کیا ہم اب بھی ایسے وقت میں رہ رہے ہیں جہاں ایک شخص کو ریاست کا شہری بننے کے لئے لڑنا اور مرنا پڑیگا۔ کیا فرانسیسی مسلمان سے زیادہ کوئی اور اصطلاح ہتک آمیز اور پریشان کن ہو سکتی ہے۔ اور وہ افتادگی بربریت مجھے زندہ رکھنے کے لئے سامراج محکوم لوگوں پر مسلط رکھنے کے لئے ہر صبح اس کی آبیاری کرتا ہے۔ کیا یہ جواز خطرناک سے خطرناک جرم کے ارتکاب کے لئے کافی نہیں؟ فرانسیسی جرنل شالے کا دعویٰ ہے بغاوت پر فتح کے امکان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی بغاوت کو کسی صورت سر نہیں اٹھانے دیا جا سکتا۔ نوآبادیاتی جنگوں کے تمام فوجی جنرل اس طرح کی ہرزہ سرائی کرتے رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے مختلف علاقوں میں آزادی کی تحریکوں کو کچلنے میں ناکامی سے ہمکنار ہوئی۔ اور اب الجزائر میں اس کا کیا امکان ہے کہ وہ اس بغاوت کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں ہم اپنے استدلال کے حق میں کیمرون کی مثال پیش کریں گے۔ کیا سامراجیوں نے یو پی سی کو

دبانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔تاریخ گواہ ہے کہ کیا اہل کیمرون آزادی حاصل کر کے رہے۔زیرِمطالعہ قرطاس میں ہم اسی حقیقت کو آشکار کرینگے۔نوآبادیاتی نظام الجزائر میں اپنی حیثیت کھو چکا ہے۔جب الجزائر فتح سے سرفراز ہو چکا ہے یہ علیحدہ بات ہیکہ اپنے مقصد کے حصول کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑی۔وہ لوگ جو تاریخ میں کھو گئے تھے انہوں نے اپنے ہاتھ میں قومی پرچم تھام کر اپنے حقیقت کو پالیا ہے۔وہ لوگ جنہیں جاہل و گوار ہونے کا طعنہ دیا جاتا تھا انہوں نے اپنے حسنِ عمل سے ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔اب انہیں گنوار پسماندہ نہیں رکھا جا سکتا۔نہ وہ ظلم پر خاموش رہ سکتے ہیں۔فرانسیسی استعمار کو یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ الجزائری حکومت کسی بھی مقامی باشندے کو کسی وقت بھی حرکت میں لاسکتی ہے، یہاں تک کہ لبریشن فرنٹ کے کہنے پر گزشتہ دنوں انتخابات میں کامیاب امیدواروں نے استعفے دے دیئے۔فوج کسی بھی وقت اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو دوبارہ فتح کر سکتی ہے۔لیکن لوگوں کے ذہنوں میں احساس کمتری خوف وحراس کیسے پیدا کرسکتی ہے جو ماضی میں کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔اب وقت بدل چکا ہے لوگوں کے لئے اس طرح کی باتیں بے معنی ہو گئی ہیں۔استعمار نے حقیقت سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔اس کا گمان ہیکہ انکی قوت کا انحصار مشین گنوں اور جدید اسلحے پر ہے۔یہ بات 50 کی دہائی میں تو کسی حد تک درست تھی لیکن آج کے حالات پر صادق نہیں آتی۔سب سے پہلی بات یہ ہیکہ بعض تاریخ کے پیمانے اپنا وزن رکھتے ہیں لیکن اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ مشین گنیں، توپیں اور دیگر ہتھیار صرف سامراج کی ملکیت نہیں رہے۔دنیا کے دو تہائی آبادی ہمیں حسب ضرورت ہتھیار فراہم کرنے کے لئے تیار ہے۔اور باقی ماندہ ایک تہائی جو ہتھیاروں پر آمادہ نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انقلاب کے مخالف ہیں۔

بالکل نہیں۔بلکہ وہ کسی دیگر طریقے سے تبدیلی کے خواہاں ہیں۔لیکن یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کہ انکی اخلاقی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔فرانسی جنرل ڈیگال نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا باپ کا الجزائر مر چکا ہے۔جنرل صاحب کی اس بات میں آدھا سچ ہے پورا نہیں۔بڑے بھائی کا الجزائر بھی مر چکا ہے۔اب یہ نیا الجزائر ہے۔الجزائری قوم کا ملک۔ان تلخ حقائق کو جلد یا بدیر تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔آئندہ ابواب میں ہم اپنے قارئین کو اس تبدیلی سے روشناس کرانا چاہتے ہیں۔جو الجزائر کے لوگوں کے شعور میں پیدا ہوئی۔انقلاب کے بعد کیا ایک تشدد کی جگہ دوسرے تشدد کو متعارف کروایا جائیگا؟ نہیں بالکل ایسا نہیں۔ہم نو آبادیاتی باشندے کے پیچھے چھپے انسان کو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔وہ انسان جو بیک وقت منظم بھی ہے اور ظالمانہ نظام کا شکار۔جس نے اس کے لبوں پر مہر خاموش ثبت کر دی ہے۔ہم ایک آزاد الجزائر کے خواہاں ہیں۔جو ہر طرح کے صاحب ذوق کو جنم دے۔جس گود میں حسن وعشق، علم واستدلال، جرات واستقلال صاحب فن کسان پروان چڑھیں۔یہ وہ چیزیں جسکی ہم نے خواہش کی تھی۔اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے ہم اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں گے۔ہمارا اس بات پر ہرگز یقین نہیں اس کاروان دعوت عزیمت میں کوئی چیز ہمارے پاؤں کی بیڑی بنے۔

> جو نام نہاد قوم پرست قابض سے مزاکرات کا عندیہ دیتے ہیں، یہ ہمیں سراب دکھاتے ہیں۔وہ دھوکے میں نہیں آرہے بلکہ مکار اور منافق ہیں۔وہ سراب کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں لیکن مکاری کر رہے ہیں۔جدوجہد کی قیمت دینے پر تیار نہیں، چاہتے ہیں کہ بلوچ قوم پر آنے والی مصیبت ان پر نہ آئے۔----------《**بابا خیر بخش مری**》

اختر پھنس گئے اپنوں میں

حفیظ حسن آبادی

روزنامہ توار کا 18 جون کا اداریہ پڑھ کر دل خون کے آنسو رویا، بہت دکھ ہوا کہ بی این پی مینگل کراچی کے نوجوانوں نے اتنی بڑی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر کے دوست ہوتے ہوئے دشمن کا کردار ادا کیا مگر اس سے بڑھ کر افسوس اس بات پر ہوا کہ بلوچ قوم پاکستان وایران کے سخت ترین تشدد دباؤ کے باوجود نہ صرف حالات کے ادراک سے محروم ہے اور کسی طرح بھی اتحاد و یکجہتی کی طرف نہیں جارہا بلکہ گروہی مفادات کی نذر ہو کر پہلے سے کمزور رونا توان بلوچ کو مزید لاچار و بے بس کرنے کے جرم مرتکب ہو رہا ہے افسوس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ ہمیں آپس میں دست و گریباں کرنا کتنا آسان ہے

خادم لہڑی اور اس کے ادارے کے دوستوں کو دھمکی دینے سے پہلے کوئٹہ میں بی ایس او آزاد کے ایک مرکزی رہنما سلام صابر کو چار نقاب پوشوں نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا وہاں بھی مارنے والوں کے پاؤں کے نشان قوم پرستی کی سیاست کرنے والوں کے پنڈال تک جا پہنچے ہیں ۔اسی تناظر میں سردار اختر مینگل کے 9 جون کے جلسہ میں آزادی و آجوئی کے حق میں نعرہ لگانے والوں کے خلاف بی این پی کا خصوصی وائٹ پیپر بھی آنے والا ہے اور اس سے پہلے وہ خود ان مزاحمتوں کو سرکار کی ڈھول پر ناچنے والوں کے لقب سے نواز چکے ہیں قارئین محسوس کر رہے ہیں کہ ہم کس سرعت سے داخلی تناؤ و کشیدگی کی طرف دھکیلے جارہے ہیں تا کہ سرکار نئی تبدیلی لانے سے پہلے پہاڑوں پر چڑھنے والوں کی کردار کشی کیلئے بی این پی کی قیادت سمیت عام ورکر کو ذہنی طور پر تیار کرے اور عقل و خرد والوں کو پہلے سے بتائے کہ نواب رئیسانی کی حکومت کے بعد بلوچستان میں کیسا خونی ڈرامہ کھیلنے کی تیاری کی جارہی ہے اور اس کے مرکزی کردار کون ہونگے۔

گو کہ ابھی تک بی این پی کی لیڈر شپ بار بار یہ بات دھراتی رہی ہے کہ ہم مزاحمتی تحریک کی بھرپور حمایت کرتے ہیں اور اس کی مخالفت پر خود کو واجب القتل بھی قرار دیتے ہیں مگر ان کے عمل کے بارے میں نواب خیر بخش مری نے واضح کہا ہے اور اس پر مزید کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

سلام صابر پر قاتلانہ حملہ اور خادم لہڑی کو دھمکی ایک ہی سلسلے کی دو الگ کڑیاں ہیں اگر جن کو ابھی سے نابود کرنے کی عملی کوشش نہیں کی گئی تو پہلے سے موجود غلامی کی زنجیر مزید مضبوط ہو جائے گی۔بی این پی کے بہادر نوجوانوں کا یہ عمل دیکھ کر ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ بہادر بلوچ فرزند سلام صابر پر حملہ کر سکتے ہیں اور خادم لہڑی و کسی دوسرے بلوچ لکھاری و دانشور کو دھمکی دے سکتے ہیں مگر ان کی بہادری اس وقت کہاں جاتی ہے جب ان کے مادر وطن پر حملہ ہوتا ہے۔اس وقت ان کی غیرت کہاں سیر کرنے گئی تھی جب نواب اکبر خان بگٹی کے تابوت پر تالے لگے اور ایک بلوچ بزرگ کے لاش کی بے حرمتی کی گئی اور ان کی نما زجنازہ جوتوں کے ساتھ غیروں نے لاوارثوں کی طرح پڑھ کر دفن کیا ان کی قبر پر ابھی تک خزانے کی طرح پہرے لگے ہوئے ہیں۔یہ نوجوان وہ حصار توڑنے کی تیاری کیوں نہیں کرتے (حالانکہ ان کی قربانیوں کی مثالیں دنیا کبھی نہیں بھولے گی) اگر ایک اسی سالہ ''کماش'' پہاڑوں پر چڑھ جاتا ہے اور جاتے ہی دوست و دشمن کی پہچان کرا کے جاتا ہے یہ نوجواں ابھی تک دوست و دشمن کو پہچاننے کی ہمت کیوں نہیں کرتے۔انکی بہادر سرخ آنکھیں ان مری و بگٹی خاندانوں کو کیوں نہیں دیکھتیں جو پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں دست کشکول لیے پھرتے ہیں۔ان کی بہادری ان معصوم بچوں سے ان کی بچپن کے دن چھیننے والے ہاتھ کیوں نہیں روک سکتے۔یہ آنکھیں ہزاروں بلوچوں کو غائب کرنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جرات کیوں پیدا نہیں کرتیں بلوچوں کو ان کے گھروں سے اٹھانے کا کام جیسے پہلے آسان تھا اب بھی اسی طرح ارزاں ہے بہادر اس گھناؤنے عمل کو روکوانے میں کیوں حقیقی نتیجہ سانے لانے سے قاصر ہیں۔

اعداد و شمار میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ سب بخوبی علم ہے کہ ان ڈھائی تین برسوں میں کتنے بچوں، اور عورتوں اور بوڑھوں کے پرخچے اڑائے گئے کتنی بلوچ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی ہے پاکستانی پریس کے منہ میں تالے لگے ہیں اور جہاں قیامت برپا ہے وہاں صحافیوں کا جانا بھی منع ہے یہ بہادر بلوچ اپنے ایک بھائی کو اختلاف رائے رکھنے پر نیست کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر ان متاثرہ خاندانوں تک ایک بوری گندم پہنچانے کی ہمت نہیں کرتا اور نہ ہی ان میں اتنی ہمت ہے ان بیمار و لاچاروں کے علاج معالجے کیلئے کسی کیمپ کا بندوبست کر سکے اور نہ ہی ان میں اور انکی لیڈر شپ میں اتنی سوچ ہے کہ خضدار ،کوئٹہ اور نوشکی میں عظیم الشان جلسہ جلسوس کرنے کے ساتھ ڈیرہ بگٹی اور کوہستان مری کی طر

ف بھی جایا جائے اور اپنے تباہ حال بھائی بہنوں کی حال پرسی کی جائے اور اپنے ساتھ ان کے لئے چند روز کا راشن اور دوائی لے جانے کا بندوبست کرے بی این پی کی قیادت کے ساتھ جانے کے بہانے مقامی و بین الاقوامی صحافیوں کو وہاں کے بدنصیبوں کو فوکس کرنے کا موقع ملے گا اور اگر گورنمنٹ بی این پی کی لیڈر شپ کو روکتی تو ضرور ایک شور برپا ہوتا اور اس بہانے شاید ان متاثرین کا کیس زیادہ توجہ کا مرکز قرار پایا۔

شہید نواب اکبر بگٹی و بالاچ مری کے آزاد بلوچستان کے پیروکاروں اور شہری سیاست کرنے والے قوم پرستوں کے ساتھ الجھاؤ سے ایسے لگتا ہے کہ گورنمنٹ اس بار مزاحمتی تحریک والوں کو قوم پرستوں کے ہاتھوں مروانے کے منصوبے پر کام شروع کر چکی ہے اور بدقسمتی سے اختر جان کی بی این پی دانستہ طور پر اس بڑے گیم کے مرکزی کردار کے طور پر تیزی سے ابھر رہی ہے۔ یہ بہت ہی تلخ حقیقت ہے نواب رئیسانی اور پیپلز پارٹی دونوں بلوچستان کے حالات بہتر بنانے میں مکمل طور پر ناکام ہونگے۔ کیونکہ انہوں نے اس سلسلے میں ابتداء ہی سے اتنی غلطیاں کی ہیں کہ ان پر الگ بحث کی ضرورت ہے چنانچہ نواب رئیسانی اپنا دیرینہ مطالبہ 1940ء کی قراردادوں پر عمل درآمد کرانے سے پہلے اقتدار سے الگ ہو جائیں نئے وزیراعلی کے کردار کیلئے اختر مینگل سے بہتر کوئی دوسرا امیدوار دکھائی نہیں دیتا کیونکہ وہ اس وقت بلوچ کے ایک وسیع حلقہ کے ساتھ پشتونوں اور وہاں موجود آبادکاروں کیلئے بھی قابل قبول ہیں اس کی واضح مثال ان کے 9 جون کے جلسہ میں پنجابی قومی اتحاد، نورزئی اتحاد خلجی اتحاد، انجمن تاجران بلوچستان، ہزارہ ڈیموکریٹک فیڈریشن، پشتونخواہ وغیرہ کا ان کا جوش استقبال اور بی این پی مینگل کے جلسہ میں جھنڈے لہرانا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ اختر مینگل کو مزاحمت کاروں کے روبرو کھڑا کرنے کیلئے بے تاب ہیں کیونکہ محاورہ مشہور ہے "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" اس طرح اختر مینگل کے پارلیمانی سیاست میں آنے سے گورنمنٹ کے کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں پہلا یہ کہ انہیں بلوچستان میں پاکستان کے دفاع کیلئے بی این پی مینگل کی شکل میں ایک بااثر پارٹی کی حمایت حاصل ہوگی دوسری اختر مینگل کی یہ آواز کہ حق خودارادیت اور حق حاکمیت مانگتا ہوں خود بخود ایسے دب جائے گی جیسے اس سے پہلے حق خودارادیت کی بات کرنے کے باوجود اختر مینگل بلوچستان کی اسمبلی میں بھاری اکثریت رکھنے کے باوجود بلوچستان کے حق خودارادیت کی قرارداد اسمبلی تک نہ لا سکے اب کی بار بھی ایسا ہوگا دوسرا یہ کہ اگر بی این پی کسی صورت مزاحمتی تحریک کے سامنے آئی (جو ناگزیر ہے) وہ فوراً شدید ترین عوامی ردعمل سے دوچار ہوگی ایسے میں اس پارٹی کو مزید تقسیم در تقسیم کرنا سرکار کیلئے مزید آسان ہوگا۔ وہ اپنی شرائط منوانے کی پوزیشن سے نیچے آ کر سرکار کے شرائط پر کھیلنے پر مجبور ہوگی سرکار کیلئے تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بی این پی اور دوسرے پارلیمانی سیاست کرنے والی جماعتوں کے ورکر براہ راست آزادی پسند عناصر سے الجھ پڑیں گے اور وہ سرکار کا کام آسان کر کے ایک دوسرے کو کاٹتے پھریں گے جس کے آثار بدقسمتی سے دکھائی دے رہے ہیں۔ چوتھا فائدہ سرکار کیلئے یہ ہوگا کہ بی این پی اور دوسری قوم پرست جماعتوں کی پارلیمانی سیاست میں شرکت سے بلوچ مزاحمتی تحریک بین الاقوامی اداروں کے سامنے بھی کمزور پڑ جائے گی۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اسلام آباد اختر مینگل کی مصیبت سے آزاد ہو جائے گی کیونکہ اگر اختر مینگل پارلیمانی سیاست کو ترک کر کے پاکستان کے اندر بلوچستان کی مکمل آزادی کیلئے افعال ہو جاتا ہے جس سے کم از کم بلوچستان میں حکومت کیلئے مشکلات کھڑی کر کے بین الاقوامی طور پر مختلف فورمز کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے جس سے نہ صرف وہ پاکستان اور بین الاقوامی اہمیت کے حامل شخصیت بنتے ہیں بلکہ مزاحمتی تحریک کو بجا طور ایندھن میسر ہوگا۔ اور پاکستان سرکار کیلئے بلوچستان میں حکومت کرنا ناممکن ہوگا۔

انتخابات میں جانے سے اختر مینگل کے قومی لیڈر بننے کے تمام امکانات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اور یوں بلوچ تحریک ایک بڑے لیڈر سے محروم ہو جائے گی۔ یوں سرکار کے دشمنوں میں ایک بڑا دشمن کم ہو جائے گا اور وہ اپنی مکمل توجہ اس دشمن کو ختم کرنے پر مبذول کرے گی جو واقعی حق حاکمیت مانگتا ہے اور کسی چھوٹی تسلی سے بہنے کو تیار نہیں بی این پی کی ایسی سیاست سے سرکار کے ساتھ ساتھ وہاں موجود کئی لیڈروں کا بھی بھلا ہوگا جو بڑی شدت سے اسی انتظار میں ہیں کہ بی این پی مینگل انتخابات میں جائے جس سے کسی کی صوبائی کسی کی قومی اسمبلی کی ممبر شپ کی تو کسی سینٹری و مشیری وغیرہ کی لاٹری نکلے۔ اور یہی لوگ انتہائی مہارت و سرعت سے اختر مینگل نے اپنی وزارت اعلی کے دور میں نہ صرف نواب اکبر بگٹی کو ناراض کیا تھا بلکہ شہید نواب کے بارے میں یہاں تک کہا تھا کہ میں کمبل کو چھوڑتا ہوں مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔۔

اختر مینگل کے اردگرد سیاسی یتیموں کا جم غفیر موجود ہے ان کی خواہش یہی ہوگی کہ وہ اس کی قید کی قربانیوں کو شہدا کے قربانیوں سمیت ووٹ کے کشکول میں ڈال کر اپنا الو سیدھا کریں ان کے اس عمل سے بلوچ سرزمین کی قسمت کا کیا ہوگا۔ بلوچ کی بحیثیت قوم پہچان و تاریخ کا کیا ہوگا ان کو اس سے کوئی غرض نہیں اور یہی عناصر بی این پی مینگل اور دوسرے قوم پرستوں اور وطن سے حقیقی محبت کرنے والوں کے درمیان لکیر گہرا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے عزائم کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔۔

انقلابی تقاضے اور ہم

اسلم بلوچ

کسی کے خلاف جھوٹ اور بے بنیاد الزمات کے تحت پروپیگنڈہ وکردار کشی میں اور حقائق کی روشنی میں متضاد یا متنازعہ عمل پر رائے یا پھر کسی بھی منفی رویے بارے عمل پر تنقید میں کوئی بھی فرق نہ کرنے والوں کے بیچ پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے کیا طریقہ کار مقرر ہو؟ مقصد وفکر بارے نظریے کی سمت کو لے کر ہر طرح کے انفرادی ،گروہی ،فوجی وسیاسی اقدامات میں غیر متوازن بارے عمل بارے توازن پیدا کرنے کے لئے ضروریات وحقائق کی نشاندہی کے لئے رائے (حکم نہیں) میں نیک نیتی اور بد نیتی کے بانچ ومعیار کے لئے کیا سطح وحد مقرر ہوں اجتماعت کے لئے مضر وممنوع پالیسیوں اور اقدامات کی نشاندہی بعد از اں اختلاف واتفاق کے لئے بحث ومباحثے ،تحقیق ،دلیل ،ثبوت حقائق کو تسلیم دوسری طرف کاروباری طرز سے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے لیپا پوتی کی حدود کی واضح نشاندہی کیسے ہو ؟ یہ سب کچھ بیان کرنا اس لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے ہاں سوال ،تنقید اور بحث کو توہین اور سازش سمجھا جاتا ہے! کیوں؟ اس کیوں کا جواب تلاش کرتے ہیں مگر تھوڑا سا پیر پرستوں کے لئے میری ناقص رائے کے مطابق ہمارا نقطہ نظر ہر قسم کے چھوٹے بڑے مسئلے کو لے کر بلوچ قومی مفاد ہونا چاہیے یہ جو ہم اپنے ہاتھوں میں تین تین لفظوں والے غبارے لے کر بچوں کی طرح خوش ہو کر اچھل کود کر رہے ہیں ان کی اہمیت دنیا کے سامنے واقعی غبارے جیسی ہے ہمیں اگر کچھ فنا سے بچا سکتا ہے تو وہ ایک ایسی قومی قوت ہے جو تاریخی قومی جغرافیائی حدوں سے ہم آہنگ ہو جو بلوچ گل زمین کے چاروں سمت ایک موثر آواز کے ساتھ زیادہ سے زیادہ چیزوں کو متاثر کرنے قوت رکھتا ہو یہ تو حقیقت ہے کہ یہ سب کچھ جو یہاں ہو رہا ہے ہمارے لئے نیا ہے مگر موجودہ حالات وواقعات کی روشنی میں اگر دیکھیں تو تقاضے اور ضرورت مختلف ہیں بادبان کے ناخداؤں کا کثرت سے گالی گلوچ پہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان کو لہروں کی طاقت اور کشتی کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اب آپ سوچیں طوفانی حالت میں کسی کشتی میں بیٹھے بہت سے لوگوں میں سے چند اُٹھ کر یہ کہیں کہ ہم ایک طرف ہو کر وضو کریں گے اور باجماعت نماز پڑھیں گے تو کشتی کا ناخدا نماز جیسے بے ضرر عمل کے لئے ان کو کیا کہے گا

حالات وواقعات کے خلاف روایتی طرز حیات کی اس سے بہتر مثال اس وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا اور ناخدا کے منہ کھولنے پر باقی ماندہ بھی ناخدا کی طرف منہ موڑیں کہ ارے کافر یہ تم کیا کہہ رہے ہو یہ تو نماز جیسے بے ضرر عمل کے حالات کی ضد میں ممنوعت کی طرف جاتا ہے اب آتے ہیں اپنی روایتی طرز حیات کے تحت منفی رویوں ورجحانات پر تضاد عمل کی طرف جو آج کے جنگی حالات کی ضد بنتے جا رہے ہیں میں بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ کشتی کے ناخدا کے طرز پر کچھ کہوں تو اپنے ہی لوگوں کی نظر میں کافر ٹھروں گا چپ چاپ تماشائی بنا رہا تو ضمیر اور قوم کا مجرم تو چلو قومی مجرم ہونے سے کچھ وقت کافر ہونا ہی بہتر ہے میں نے کچھ وقت اس لئے لکھا کیوں کہ تاریخ کے انصاف پر میرا کامل ایمان ہے اب اس کیوں کے جواب کو تلاش کرتے ہیں یہ نقاط جو میں بیان کر رہا ہوں ان میں بحث کی گنجائش بہت زیادہ ہے مگر اس وقت میری کچھ یوں ہے

اول ارتقاء کو لے کر ہمارا سماجی شعور دوئم معاشرتی تنظیم کے بطن سے پیدا ہمارا سیاسی ڈھانچہ جس میں بین الاقوامی معیار کے آشکاری کے لئے علم تحقیق ومحنت سے زیادہ روایتی معاشرتی تنظیم یا طرز حیات کا دخل زیادہ ہے (ہم اپنے سماجی شعور کے تحت ہی تنظیم کی طرف گئے ہیں اور اسی تنظیم وانتظام کو آج پوری دنیا میں لگے طاقت کے اصول کی دوڑ سے ہم آہنگ کرنے کے دعوے ہو رہے ہیں) مگر دعووں کے برعکس اقدامات اور عمل میں زیادہ معاشرتی تنظیم کی چھاپ نظر آتی ہے ہمارے لئے شاید یہ مثال مناسب ہو ہم سمندر کے کنارے کھڑے ان لوگوں جیسے ہیں جو چند گز دور سے اٹھنے والی لہروں کو سمندر سمجھتے ہیں جو چند سیکنڈوں کی مسافت کے بعد ختم ہو کر دوبارہ وجود میں آتے ہیں لہروں سے میلوں دور سمندر کی گہرائی اور اس کے پرسکون سطح کے موجزن ہونے سے لہروں کے وجود میں آنے کا ان کو اندازہ ہی نہیں ہوتا سمندر کے بیچ موسمی حالات وطوفان وبارباران کے بارے علم کو لیکر تیاری سے

طوفانی لہروں سے مقابلہ یہ ایک حالت ہے اور کنارے پر کھڑا ہو کر تفریحی کے لئے لہروں سے محفوظ ہونا دوسری حالت ہے ان تماش بین حضرات میں سے اگر کوئی سمندر کے بیچ طوفان کے ظہور پذیری کے اسباب جانے بغیر طوفان میں پھنس جائے تو تب وہ اپنی قسمت یا بادبان کی کمزوری پر لاکھ روئے وہ بربادی وفنا سے ہر گز نہیں بچ سکتا یہ ان حضرات کے لئے جو انقلابی عمل کو اپنی خواہشات کے تناظر میں دیکھتے ہیں اتفاق واتحاد سے لے کر تنظیم وتسلیم تک کو زمینی حقائق سے درصرف اور صرف تصوراتی خواہشات کی نظر سے دیکھتے ہیں کسی بھی پیچیدہ مسئلے یا اس سے جڑے بحران پر چیخ اٹھتے ہیں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

ایسا کیوں ہو رہا ہے کا مقصد اگر وجود ڈھونڈنا ہے تو ٹھیک، مگر لگتا یوں ہے یہاں سیدھا تجاوز فیصلہ اور حکم کی حد تک ایسا نہیں ہونا چاہیے یہ تحریک کے لئے مناسب نہیں تو یہاں ایک ضروری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ تحریک کو کس تناظر میں دیکھ رہے ہیں وہ آپ کی ذاتی خواہشات ہیں اگر واقعی آپ اپنی ذاتی خواہشات کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں تو آپ کی خواہشات کسی علمی تحقیق کا نچوڑ یا ایک طویل عملی تجرباتی سفر کے نچوڑ پر استوار ہیں اگر ہیں تو ان کی تشریح کے لئے بھی ثبوت ودلائل کی ضرورت ہوگی یا نہیں اس کے علاوہ آپ یہ سب کچھ قومی ارتقاء وشعور کی سطح کو لے کر متحرک قوتوں کے افعال واعمال کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں یا وقت و حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر یا پھر قابض دشمن کی بربریت کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں اس سطح کی جانچ پڑتال پر پہنچنے کے بعد اگر ہم رائے، فیصلہ وتنقید کے مقصد واہمیت کی طرف غور کریں تو شاید کچھ بہتری ہو یہاں یہ بھی سمجھنا بہت ضروری ہے کہ قومی تعمیر وترقی کی تحریک بذات خود پوشیدہ پیچیدگیوں کو ابھارنے اور سلجھانے کا دوسرا نام ہے سماج کی پسماندگی کے وہ ٹھوس بدبودار وجواہات جو کسی بھی وجہ سے پوشیدہ ومخفی رکھے جاتے ہیں ان کو ابھار کر سامنے لائیں تاکہ آپ کے سماج کی بہتریں ذین ان کے بہتر حل کو تلاش کر کے تعمیر وترقی کے سفر کو جاری رکھ سکیں مگر ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر غور کریں کسی بھی منفی سوچ کے تحت انجام پانے والے پر تضاد عمل یا رائے پر تنقید بارے ردعمل میں مشتعل ہونے کے عمل کا باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ منفی سوچ کو لے کر متنازعہ یا متضاد عمل ہی سبب یا وجہ بنتا ہے تنقید کا نا کہ مثبت تبدیلی کا تنقید کو لے کر مشتعل ہونا تسلسل ہوتا ہے منفی سوچ کا مثلاً کسی دکاندار کے ناپ تول میں کمی پر سوال اٹھانے پر دکاندار کا مشتعل ہونا اس کے منفی سوچ کے تحت ھٹ دھرمی کو ظاہر کرتا ہے نا کہ انسانی کمزوری کے تحت اس کی بھول کو ناپ تول میں مکمل برابری و معذرت ہی اس کے بھول کی نشاندہی کے لئے کافی ہے اگر مشاہدے کے لئے غور ہو تو تو اس دنیا میں کسی بھی مذہب اور نظریے میں معاشرتی اخلاقیات کو لے کر کسی کو بھی چاہیے وہ کوئی شہزادہ ہو یا حکومت زادہ کسی سے غیر اخلاقی زیادتی وناانصافی کی اجازت نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ علم سیاسیات میں (جس میں فرد داخل ہی اجتماعیت کے شرائط پر ہوتا ہے) کسی کو بھی انفرادی یا گروہی غرض ومفادات کو لے کر من مانی وھٹ دھرمی کی اجازت دی جائے تنقید یا متضاد رائے پر مدلل بحث و پیچیدہ نقاط کو لے کر تحقیق کے بعد نتائج وحقائق کے تسلیم کے بدلے مشتعل ہو کر الزمات کی آڑ میں رائے افراد اختیار کر کے منفی رجحانات کی حوصلہ افزائی کے لئے کھلی چھوٹ دی جائے ہمارے ہاں اجتماعیت پر ذاتی ملکیت کا تصور اس لئے بھی زیادہ پختہ ہے ہم خود فریبی کا شکار ہیں ہم فرد کے کردار، نظام، مقصد اور نظریے میں فرق نہیں کر سکتے فرد کے کردار کے علاوہ، مقصد بارے نظریے اور نظریے کے تحت نظام، شخصی، گروہی یا تنظیمی ان تمام کے حقیقی عملی حدود میں واضح فرق سے ہم نابلد اور ہم یہ حقیقت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں کہ کوئی بھی پارٹی، تنظیم یا گروہ برائے مقصد ہوتا ہے یا پارٹی یا تنظیم خود ایک مقصد ہوتا ہے جب کوئی پارٹی، گروہ یا تنظیم کسی مقصد کے لئے بنتا ہے تو اس مقصد کے تقاضوں کو لے کر ایک شناخت ہے اور شناخت کے نام سے نظم وضبط سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اصل ہوتا ہے مقصد موجودہ حالات میں ہمارے ہاں جو لوگ مقصد کو چھوڑ کو زیادہ اپنے اپنے گروہ و پارٹی کے مفادات کو لے کر لیپا پوتی کر رہے ہیں بضد احترام وہ ان درگاہوں کے مریدوں کی طرح ہیں جو درگاہ میں محو خواب اولیا کو اپنا مرشد بتا کر مرشد کے عمل کے متضاد و ذہنی اور جسمانی عیاشی کے لئے اس درگاہ کو بطور اڈا استعمال کرتے ہیں تو یہاں بقول منظور عزت کے "میں، میرا" سے آگے کا سوچ ہی خواب لگتا ہے جب تک سماجی شعور میں ترقی کے لیئے عوامی سوچ پہ کام نہیں ہوگا من مانی کرنے والے من مانیاں کرتے رہیں گے وہ روایتی شخصیات کے نام پر ہوں، روایتی تاریخی منصب کے نام پر یا سرمچاری اور فراری کے نام پر ہوں یہ تو اس صدی میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے ہندو سماج میں ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں سے مانگ کی جاتی ہے مگر ان کے عبرت ناک ماضی اور آج میں واضح فرق سماجی شعور میں ترقی کی نشاندہی کرتا ہے۔

ایک مرتبہ پر بصد احترام جس سماج میں چاکر اعظم جیسے قومی مجرم کو قومی ہیرو ،مست توکلی کے غیر اخلاقی خواہش کو بزرگی اور بدکرداری کو عاشقی سے تعبیر کیا جائے جہاں بالاچ گورگیج کے بہادری اور جنگی ہنر کو اس کی برادر کشی پہ فوقیت دی جائے ،انا پرست مغرور و متبر شخصیات اور ڈاکوؤں کو عزت کی نگاہ سے دیکھ جائے سچ اور حقیقت پسندی کو لوگ توہیں سمجھیں وہاں یہ سب کچھ بیان کرنا وقت کا ضیاں معلوم ہوتا ہے مجھے پتہ ہے کہ آج بھی چاکر اعظم کو چاہنے والوں کے پیروکار موجود ہیں جو آج کے چاکر اعظموں کو خدا مانتے ہیں اور آج بھی مست توکلی جیسے غیر اخلاقی خواہشات کے غلاموں کو نجات دہندہ مانتے ہیں اور آج کے بلوچ قومی اجتماعی مفادات پر ذاتی یا گروہی مفادات کے لئے ڈاکہ زنی کرنے والوں کو اپنا ہیرو مانتے ہیں دن رات ان کے کاغذی بتوں کو سامنے رکھ کر روایتی ورد مسلسل سے تسکین حاصل کرتے ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ ان تمام کے بیچ وہ بھی موجود ہیں جو کسی بھی غرض و مفاد کے بغیر سرزمین کی آزادی کو لیکر قومی تعمیر و ترقی میں سنجیدہ ہیں ان کو یکجا ہونا ہوگا فنا کے اسباب کو موذی اسباب بننے سے پہلے اجتماعت (قومی مفادات کو لے کر حقیقی قومی انقلابی قوت) کے بدلے ذاتی غرض قبائلی رجحانات جیسے ردانقلاب اقدامات کی نشاندہی کر کے ان کے نمو کے راستے روکنے ہوں گے نیشنل پارٹی کو ردانقلاب لکھنے والے ذرا غور کریں نیشنل پارٹی انقلاب دشمن ہے نا کہ ردانقلاب ، ردانقلاب عمل تو انقلابیوں کے بیچ انقلاب کی خدمت کے نام پر ذاتی غرض، ذاتی تعلقات، گروہی قبائلی علاقائی مفادات بابت ضد، انا، ہٹ دھرمی جیسے انقلابی عمل کے متضاد اقدامات ہوتے ہیں انقلاب کا کوئی خدمت گار نیشنل پارٹی کو انقلاب دشمن قرار دے اور بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) جیسے انقلاب دشمن گروپ بارے کچھ بھی کہنے سے ہچکچائے تو یہاں دیکھنا یہ ہے یہ انقلاب کی خدمت ہے یا ذاتی تعلقات کی کیوں کہ نیشنل پارٹی کے مقابلے BNP مینگل کے لئے ان کے یکسان انقلاب دشمن اقدامات کو لے کر نرم گوشہ ذاتی تعلقات کی آشکاری اور فکری تضاد کو ظاہر کرتا ہے (محترم معذرت میں کافر) اسی طرح ایک مسلح تنظیم سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنے مقصد اجتماعت حقیقی انقلابی قومی قوت کے حصول کی جدوجہد میں مزید فکری پختگی کے ساتھ مزید تنظیم و نظم و ضبط کی جانب جانے کی بجائے کسی بھی تضاد عمل ردانقلاب اقدام کی نشاندہی کئے بغیر چپ چاپ سے الگ تنظیم جس کی شناخت یونائیٹڈ و بلوچ یعنی بلوچ کے نام سے کرائیں اب پوچھنے والا کوئی ہے کہ جناب آپ کی اول تنظیم جس سے آپ تعلق رکھتے تھے مزید قوی قوت حاصل کر کے ایرانی مقبوضہ بلوچستان، سندھ و پنجاب تک پھیل کر یونائیٹڈ بلوچ یعنی متحدہ بلوچ ہو یا پہلے سے چند کو مزید کچھ میں بدل کر آپ انقلاب کی خدمت کے دعوے دار ہیں مکران میں ایک سرمچار (کمانڈر کچھ زیادہ ہو گا) گھڑی کی سوئی کی طرح ڈیڑھ درجن مسلح تنظیموں میں سے ہو کر دوبارہ بارہ پہ کھڑا ہے تو اس ڈیڑھ درجن تنظیموں کے دروازے کس انقلابی خدمت کے تحت بغیر وجہ و جواز پوچھے جنکشن ریلوے اسٹیشن کی طرح آنے جانے والوں کے لئے کھلے ہیں پاکستان میں الیکٹرونک میڈیا پر مقبول ٹی وی اینکروں اور بہتر پروگراموں کو لیکر زیادہ معاوضے کی صورت میں نمایا ہونے کے لئے جو غیر اخلاقی دوڑ لگا ہے بالکل ویسا ہی تماشا ہمارے بیچ نمبر گیم میں واضح ہونے لگا ہے ان گنت ایسے ردانقلاب اقدامات جن کو سر عام بحث و مباحثے میں لانا دشمن کے ہوتے ہوئے عقلمندی کے بجائے بے وقوفی کی حدودوں کو تجاوز کرنے کے زمرے میں کہاں تک آتے ہیں دوستوں کی خوش قسمتی میں فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں لیویز اہلکاروں کو بطور فورسز نشانہ بنانا یا پولیس میں مقامی افراد کو صرف اس ادارے سے تعلق کی بنا پہ نشانہ بنانا مخبر، ایجنٹ کے کردار سے قطع نظر ہمارے ہاں اس تحریک کے لئے ایسے اقدامات کے اثرات پر بحث مباحثہ ۔سماجی شعور، قومی مزاج اور انقلابی تقاضوں کے میل ملاپ کے لئے بے غرض تجزیہ کے بعد ہاں یا نہ کے لئے متفقہ فیصلے کی پابندی آج کی ضرورت ہے یا نہیں مقامی افراد کے مخبری کے شبے میں شک و پک بیچ تحقیقات یا حالات و واقعات کی بنا پہ شوہد کی سطح کا کچھ حد مقرر ہے یا نہیں ہم تمام کو غور کرنا ہوگا کہ شوق سرمچاری میں کہیں ہم خود ردانقلاب اقدامات کا سبب تو نہیں بن رہے ہیں۔

آج کل تقریباً تقریباً ہم اس منڈی یا مارکیٹ کا منظر پیش کر رہے ہیں جہاں کے سوداگر حضرات متفقہ نرخ کی پابندی سے آزاد ذاتی فائدے کے لئے کچھ بھی کرتے ہیں اب اس کے فطری پہلو پہ غور کرتے ہیں جس منڈی کے دکاندار ایک دوسرے کی بولی کو سمجھ نہ سکیں جو اپنے ذاتی فائدے اور مارکیٹ کے فائدے میں توازن برقرار نہ رکھ سکیں انہی کے مثل آج جس تحریک کی ضروریات اور تقاضوں کو ہم اپنے گروہی تین لفظوں والے غباروں کے خوش فہمی میں سمجھ نہیں سکتے ان کو بین الاقوامی قوتوں کو کیا سمجھائیں گے۔

سردار اختر مینگل کا دورہ اسلام آباد

زہاد سنگر بلوچ

جس طرح پانچوں انگلیوں باہم مل کر مد مقابل کیلئے ایک مکا بن جاتا ہے، بالکل اسی طرح کسی ریاست کی پارلیمنٹ، فوج، عدلیہ، مقنّنہ اور میڈیا ملکر پانچویں باہم لؤ ملکر مد مقابل کو زک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور آج ریاستی عدلیہ بلوچ سیاسی کارکنوں کی بازیابی کے لئے جو کردار ادا کر رہی ہے وہ ریاست کے مکے کا تیسرا اور اہم انگلی کی حیثیت سے کام کر رہی ہے اس لئے اس سے امید رکھنا کہ عدلیہ غیر جانبدارانہ فیصلہ کے کر ریاستی مکے کی سختی میں کمی لائے گی یا اپنے ساتھی کی انگلی کو مروڑ دے گی، حماقت کے سواء کچھ نہیں ہے۔ اس لئے اصولی طور پر سردار اختر جان مینگل کا پاکستان کی سپریم کورٹ پر اعتماد کرنا غلط ہے اور اسے تمام اصول پرست پارٹیوں نے غلط ہی کہا ہے مگر میں سمجھتا ہوں لہ اچھا ہوا کہ ایک لحاظ سے سردار اختر جان مینگل نے سپریم کورٹ جا کر اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ کم از کم اس سے سردار صاحب اور ان کی پارٹی کے دیگر قائدین کو آزمائے کو مزید آزمانے کی خواہش پوری ہو جائیگی اور خود کو سیاسی جہالت (آزمودہ در آزمودہ جہل است) سے نکالنے کے لئے مثبت اقدام کرنے کا موقع ملے گا۔ اس وقت پارلیمانی سیاست کرنے والی پارٹیوں میں اہم ترین پارٹی بلوچستان نیشنل پارٹی مینگل ہے اور بلوچ عوام کا پارلیمانی سیاست سے مکمل طور پر اعتماد اٹھ جانے کا دارومدار بھی اسی پارٹی سے وابسطہ ہے۔ اگر بلوچستان نیشنل پارٹی فیصلہ کرے کہ بلوچستان میں کسی بھی ریاستی انتخابات کے ڈھونگ میں شامل نہیں ہونا ہے تو بلوچستان نیشنل پارٹی (عوامی) اور نیشنل پارٹی دونوں اس قابل نہیں رہینگے کہ وہ پارلیمانی سیاست کر سکیں اور دیگر وفاقی پارٹیوں جیسے پیپلز پارٹی، مسلم لیگ، جمیعت علمائے اسلام یا جماعت اسلامی نہ بلوچ پارٹیاں ہیں اور نہ ہی ان کو اس طرح کی کوئی اہمیت ہوگی کہ وہ بلوچ فیصلے کے آگے کوئی رکاوٹ بن سکیں۔ اسی بات کا ریاستی اداروں اور پارٹیوں کو بھی علم ہے اسی لئے ان کی پوری کوشش ہوگی کہ کسی نہ کسی طرح بی این پی مینگل کے قائدین کو کم از کم اگلے انتخابات میں شامل ہونے پر آمادہ کیا جا سکے تا کہ دنیا میں یہ پیغام نہ جائے کہ بلوچ قوم پاکستانی ریاست سے اپنی علیحدگی کا مجموعی فیصلہ کر چکی ہے اور بع دانشورح اگلے انتخابات میں بلوچ عوام قوم کی طرف سے شرکت نہ کرنے کو ریاست کے خلاف ریفرنڈم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سردار اختر جان مینگل جب اسلام آباد پہنچے تو ان کو وہ پروٹوکول دی گئی جو شاید ہی پاکستان کی تاریخ میں کسی بلوچ سیاسی رہنما کے حصے میں آئی ہو۔ یہی میڈیا جو بلوچستان کے مسئلے کو کسی کرکٹ کے ناکام کھلاڑی کی ناکامی کے برابر بھی اہمیت اور حیثیت نہیں دیتا تھا مگر اسی میڈیا نے سردار اختر مینگل کو اسی طرح چاروں اور گھیرا ہوا تھا جیسے وہ پورے پاکستان کا واحد رہنما ہو اور پھر مزے کی بات دیکھئے کہ یہی میاں نواز شریف صاحب جنہوں نے 1999 میں سردار صاحب کی حکومت کے خلاف سازشیں کیں اور اس کے خلاف عدم اعتماد کروانے کی کوشش کی جس سے سردار کی ملاقات اور ان کے ساتھ پریس کانفرنس بھی کی اور سردار اختر مینگل لے ملکر بلوچستان کے عوام (بلوچ عوام نہیں) کے استحصال نہ ہونے دینے کا وعدہ کیا حالانکہ یہ بات قطعی درست نہیں ہے کہ نواز شریف جیسے سیاسی قائد کو اس بات کا علم نہ ہو کہ اب بات بلوچ عوام کے استحصال سے کہیں آگے جا کر بلوچ عوام کی نسل کشی تک جا پہنچی ہے استحصال نہ ہونے دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اور یہی وہ امید ہے کہ باوجود اس بات کے کہ سردار اختر جان مینگل نے سپریم کورت اور بعد ازاں پریس کانفرنس میں بہت سخت رویہ اپنایا تھا جن کو سرکاری وکیل (اٹارنی جنرل) اور وزیر داخلہ رحمٰن ملک نے پاکستانی فوج اور ریاست کے خلاف قرار دیا اور ایم کیو ایم کے قائد نے کسی اسکرپٹ کی تکمیل کیا مگر سردار اختر جان مینگل پر ہاتھ نہیں ڈالا گیا حالانکہ یہی سردار اختر جان کو صرف احتجاجی پروگرام لشکر بلوچستان کے نام پر لانگ مارچ کرنے پر سولہ

مہینے کے قریب سخت قید میں رکھا گیا تھا اور ایک اطلاع کے مطابق جیل میں ان کو slow poison بھی دی گئی تھی جس کا خمیازہ وہ اب تک بھگت رہے ہے۔عین ممکن ہے کہ یہ مہربانیاں دنیا کو یہ باور کرانے کے لئے ہو کہ دیکھو ہم اپنے نارا بلوچ بھائیوں؟ کو نارا کرنے کے بعد منانا اور ان کو بلوچ قومی دھارے سے پاکستانی قومی دھارے میں لانا جانتے ہیں۔اس لئے دنیا ہماری خوشی اور غمی کا غم نہ کھائے اور ہمارے کام میں مداخلت نہ کرے۔

لیکن سردار اختر جان اپنے پچیس سالہ سیاسی زندگی میں کچھی گولیاں نہیں کھیلی ہیں اس لئے انہوں نے اپنے شائقین کو ذومعنی انداز میں بتادیا یہ مجھے یاد ہے وہ ذرا تمہیں بھی یاد ہو۔۔انہوں نے بلوچ قومی دھارے سے نکل کر پاکستانی قومی دھارے میں آنے کے لئے پاکستانی آئین کے مطابق نا قابل عمل چھ نکات دئے اور صاف بتادیا کہ ان شرائط یا نکات کو شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات سمجھا جائے۔گوکہ شیخ مجیب الرحمٰن اور سردار اختر جان مینگل کے چھ نکات اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہے مگر سردار اختر جان کو اس بات کا ادراک ہے کہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ایک حکمران جس نے پاکستان توڑنا گوارہ کیا مگر بنگالی زبان کو بنگالیوں ہی کی قومی زبان ہونا بخوشی قبول نہیں کیا۔جس بے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانا گوارہ کیا مگر اپنی اقتدار اور اپنے قب پر آنچ آنے نہیں دیا،جس نے بلوچستان کے ایک عظیم رہنما کو پاکستانی قومی دھارے سے بلوچ قومی دھارے میں شامل ہونے پر مجبور کیا مگر اپنے ایک اہلکار کو اسکی بدکرداری پر معطل نہیں کیا ۔وہ حکمران سینکڑوں بلوچ سیاسی کارکنوں کی شہادت کا جرم کیسے قبول کرتی ہے اور اس جرم کے ارتکاب کرنے والے اپنے سینکڑوں اہلکاروں کو کیسے سزا دیتی ہے۔اسی طرح وہ حکمران ہزاروں بلوچ سیاسی کارکنوں کی غیر قانونی غیر آئینی کاروائیوں کے ذریعے اغواء کرنے اور ان کو اذیت گاہوں میں رکھنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے دنیا کو اپنی اصلی شکل کیسے دکھائے گی۔ یہ امکانات میں نہیں ہیں۔اور بلوچستان نیشنل پارٹی کا پاکستانی قومی دھارے سے بلوچ قومی دھارے میں آنے کیلئے مدد ومعاون ثابت ہوگی۔

اور پھر سردار اختر جان کے سپریم کورٹ میں اپنا بیان ریکارڈ کرانے اور ان کے بیان کی روشنی میں متعلقہ اداروں سے سپریم کورٹ کے جواب طلب کرنے پر دوسرے ہی دن سپریم کورٹ میں حکمرانوں کی طرف سے ان کی وکیل نے سردار اختر جان کے بیانات کے جواب میں نہ صرف مسخ شدہ لاشوں کے جواب سے انکار کیا بلکہ یہ بھی بتایا کا ان کے اداروں کے پاس ایک بھی اغواء شدہ بلوچ سیاسی کارکن نہیں ہے۔پہلے تو وہ کم از کم بیس پچیس اغواء شدگان کا غائب ہونا مانتے تھے اب انہوں نے اس سے بھی انکار کرتے ہوئے اپنی نیت کا اظہار کردیا۔اور مجھے یقین ہے کہ عدالت وقت گزاری کے لئے case to case کی بنیاد پر بہت مہینے بلکہ سالوں آگے جائیگی مگر اسکا نتیجہ وہی ڈاک کے تین پھات کے سوائے کچھ نہ ہوگا جسے ایک کالم نگار جناب عباس اطہر نے اپنے کالم میں لا حاصلی کہا ہے اور پھر سردار اختر جان اپنے قول وشرائط کے نہ مانے جانے پر طلاق کا عدہ پورا کرینگے۔ اور جب تک سپریم کورٹ نے کوئی فیصلہ نہ دیا اور بقول سردار اختر جان کے ان پر عمل درآمد نہیں ہوا تب تک وہ انتخابات کی ڈھونگ میں شامل نہیں ہونگے،اور بلوچستان نیشنل پارٹی کا یہی فیصلہ اور لائحہ عمل ان کی پارٹی کو دیگر بلوچ رہنماؤں کے قریب لے جائے بند کردیا۔نہ رادھا ناچے گی اور نہ ہی نو من تیل ہوگا۔اور اس کے باوجود سردار اختر جان مینگل نے اپنے قول و اقرار کے خلاف اس ملک کے اکلوتا ادارہ عدلیہ سے امیدیں وابستہ رکھنے کا بھانہ کیا اور کسی انتخابات کا حصہ بننے کی کوشش کو تو نہ صرف بلوچ قوم ان کی غیر اصولی موقف کو مسترد کرے گی بلکہ دوسری پارٹیاں بھی اس غیر اصولی موقف سے فائدہ اٹھا کر اس کو سیاست کے میدان میں زک پھنچائیں گے۔ اور پھر ایم کیو ایم کے رہنما کی یہ بات حقیقت کی روپ دھار لے گی کہ سردار اختر جان کسی اسکرپٹ کی تکمیل کے لئے پاکستان آکر مختلف پارٹیوں کی قائدین سے ملاقات کررہے ہیں۔

کیوبا کے انقلاب میں ہم اکیلے فتح پائیں گے یا موت کا سامنا کریں گے۔عزت سے مرنے کیلئے کسی کا ساتھ ضروری نہیں ہوتا۔۔۔فیڈل کاسترو

وہ دن جس کا وعدہ ہے ہم بھی دیکھیں گے

ماما قدیر بلوچ

قومی وجود کی بقاء ننگ و ناموس کی حفاظت ،سرزمین کی آزادی کے لئے صدیوں سے جاری جنگ ،آج بھی بدی کے محور دہشت گردوں کے سرغنہ ،انسانیت کے قاتل ،سامراجی مفادات کے چوکیدار اور قبضہ گیر کے خلاف اسی جوش و جذبے کے ساتھ جاری ہے ،جس طرح 1581ء کو حمل جیئند کی پرتگیز یوں ء1731 کو عبداللہ قہار کے کلہوڑوں 1839ء محراب خان ،1897 کو بلوچ خان نوشروانی اور نفسک ،ہڑب اور سیاہ آپ کے محاذوں پر مری بلوچوں کی برطانوی سامراج کے خلاف لڑی گئی جنگوں اور دوداِ، بالاچ، کمبر، بیورغ، بی بی بانڑی اور ہزاروں گمنام فرزندوں کی بلوچ ننگ کی حفاظت کیلئے سروں کے قربانیوں کے طفیل ہی بلوچ منفرد تہذیبی اساس کے ساتھ ایک جغرافیائی وحدت میں نامور قوموں کی صف بلند اقبالی کے ساتھ عالمی توجہ کا مرکز ہے۔

زندہ قوموں کو ہر دور اپنی روایات کے تقدس اور اپنے وجود کے بقا کے لئے قبضہ گیر اور بدی کے قوتوں کے خلاف جنگ لڑنا پڑتا ہے اسی طرح ہر حملہ آور اور قبضہ گیر کے خلاف سر جھکانے کی بجائے سر کٹوا کر بلوچ بھی ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دیتا چلا آرہا ہے مگر ہر جنگ آخری نہیں بلکہ ایک کڑی اور ایک تسلسل ہوتا ہے جس طرح ایک زندہ انسانی جسم کی قوت مدافعت کو جرثوموں کے خلاف زندگی کی بقا کے لئے جنگ کرنا پڑتا ہے اور ننگ و ناموس کے دفاع اور وجود کی بقا اور قومی آزادی کے لئے جنگ ہی نے بلوچ قوم کو عالمی محققین کی نظر میں مارشل ریس کے لقب سے سرفراز کیا ہے۔تاریخ گواہ ہے جب بھی بلوچ فرزندوں نے حق کی تائید اور باطل کی تکذیب کے لئے ہتھیار اٹھایا ہے اس نیک اور راست مقصد کے لئے پوری قوم کی حمایت اور ماؤں کی دعائیں سرمچاروں کی زادراہ اور توشہ رہی ہیں ۔دوران جنگ سرزمین کے فرزندوں کے شہادت پر بہادر ماؤں نے کبھی سوگ نہیں بلکہ فخر کا اظہار کر کے آنے والی نسلوں کے لئے انمٹ اور قابل تقلید نقوش چھوڑے ہیں۔

27 مارچ 1948 کو سامراجی مفادات کے چوکیدار استعماری قوت اور کرائے کے قاتل ریاست نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی اور ان کے مستقبل کے مفادات کی تکمیل کے لئے جب عظیم روایتوں کے امین اور شہداء کے وارثوں کی سرزمین بلوچستان پر قبضہ کیا تو عظیم ماؤں نے اپنے فرزندوں کو آزادی کے لئے جنگ کی لوریاں سنا سنا کر وطن کیلئے جان ہی سے گزرنے کو شیر مادر کی حق ادائیگی سے مشروط قرار دے کر ایک تاریخ کی ابتداء کی ۔دنیا دیکھ رہا ہے کہ بشری کمزروی کے ساتھ اور بظاہر تہی دست مگر عزم وہمت کے پیکر بلوچ فرزندوں نے بلند حوصلگی سے سربکف ہو کر دشمن کیخلاف اس جنگ کا آغاز کیا۔

1948 سے حملہ آور اور قبضہ گیر کے خلاف ہزاروں فرزند دھرتی ماں کی جنگ آزادی میں انمول لہو بہا کر سرزمین سے انمٹ رشتے کا عین ثبوت دے کر بلوچ کے منزل کا تعین اور مستقبل کو درخشاں کرنے میں جوانمردی ،جرات اور استقلال سے اپنا فرض نبھا رہے ہیں جنگ کے موجودہ مرحلے میں سپوتوں کی ہمت بہادری بہتر حکمت عملی اور نظریاتی پختگی نے دشمن کو ایک ایسی ہیجانی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ درندگی ،حیوانیت ،ننگی جارحیت اور فرعونیت پر اتر کر آئے روز معصوم اور ہونہار بلوچ فرزندوں کی مسخ شدہ لاشیں ویرانوں میں پھینک کر بلوچ کے دلوں میں آزادی کیلئے بھڑکنے والی آگ کی شدت کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر بلوچ کو ایسے مذموم اقدامات سے مرغوب کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن امر ہے کیونکہ بلوچ اپنے سروں کی قربانیاں دے کر جنگ آزادی کو ایک ایسے مقام پر پہنچا چکی ہے جہاں ذراسی لغزش ہمیں عشروں پیچھے دھکیل سکتی ہے جبکہ بلوچ کسی بھی صورت بلوچ کی قوت ایمانی اور استقامت میں فرق نہیں آئے گا انہی مظالم کی وجہ سے بین الاقوامی اعتماد کے خاتمے سے ملنے والی سپورٹ میں روز بہ روز کمی نے

اس کے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

انہی قربانیوں کی بدولت اپنی تمام تر عسکری قوت کے باوجود دشمن کے تمام شیطانی منصوبے ناکام اور اس کے فرعونی ارادوں پر پانی پھیر چکا ہے گودار کے میگا پروجیکٹ ،مکران اور لسبیلہ میں کروڑوں پنجابی اور مہاجروں کی نوآبادکاری کے منصوبے قصہ پارنیہ بن چکے ہیں بلوچ ساحل، کوہلو اور کاہان میں تیل کے وسیع ذخائر کی چوری اور لوٹ مار کی نیت سے بڑھنے والے ہاتھوں کو سرمچاروں نے مروڑ کر رکھ دیا ہے بلوچستان ہی سے لوٹے گئے توانائی کے ذرائع پر بلوچ سرمچاروں کے کامیاب حملوں نے اس کی اقتصادی کمر توڑ دی ہے نتیجتاً پیدا ہونے والی توانائی کی قلت اور فیکٹریوں کے بندش سے لاکھوں مزدوروں کے بیروزگار ہونے سے انارکی پیدا ہو چکی ہے جو اسے تیزی کے ساتھ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے اور اپنے غیر فطری وجود، بلوچ قوم کے استحصال اور تحریک آزادی کو کچلنے کے غرض سے بلوچ فرزندوں پر سفاکیت ہی بین الاقوامی برداری میں اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوا ہے ۔آج عالمی برداری اس بات کا ادراک کر چکی ہے کہ بلوچ حق و صداقت پر مبنی اور بین الاقوامی اقدار اور اصولوں کے مطابق اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔

انہی ناکامیوں اور جنگ آزادی کے روز بہ روز بڑھتی ہوئی کامیابی کو روکنے کیلئے ریاست اپنی تمام تر فوجی قوت کیساتھ ساتھ رزخرید ایجنٹوں غداروں موقع پرستوں اور دوست نما دشمنوں کو بلوچ قومی آزادی کی تحریک کو کچلنے کیلئے بے دریغ استعمال کر رہا ہے مگر تاریخ گواہ ہے کہ باطل کی مقدر میں شکست ، رسوائی بدنامی اور روسیائی ہے اور فتح کامیابی اور کامرانی ہمیشہ سچ کے قدم چھوم کر رہے گا۔

آج بلوچ فرزند بے انتہا تکالیف، مشکلات اور زمانے کی سرد و گرم سے گزر کر قدم قدم پر موت کا سامنا کر کے جوانمردی اور استقلال سے بلوچ قوم کو ایک عزت اور وقار بخش کر بین الاقوامی برادری میں اپنے قومی وجود اور جنگ آزادی کو برحق قرار دلا کر دنیا کی خاموش حمایت پانے کی بے مثال کامیابی حاصل کی ہے۔

بلوچ فرزندو! آؤ بلوچ جہدکاروں کے ہاتھ مضبوط کر کے جنگ آزادی کو دوام بخشیں کیونکہ اس جنگ کا آغاز اور اس مقام تک پہنچنے میں پختہ ارادوں کے مالک رہبروں کے فکر و فلسفے اور رہنمائی کے ساتھ عوامی قوت کا کلیدی کردار رہا ہے اسی طرح جنگ آزادی کی کامیابی کا انحصار آپ کی عملی حمایت پر ہے اور جد و جہد آزادی میں قومی رہنماؤں کی بصیرت اور عوامی حمایت ہی سے ہم اس روشن منزل پر پہنچ سکتے ہیں جس کیلئے بلوچ فرزند لہو بہا رہے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ بلوچ سرزمین پر آزادی کا مست جلوہ فشاں سورج طلوع ہو کر رہے گا۔

جب مقامی باشندے کو اذیت دی جاتی ہے تو وہ اس بات کی کسی سے شکایت نہیں کرتا۔ جابر حکومت اگر چاہے تو ہر روز یک تحقیقاتی اور معلوماتی کمیشن مقرر کرتی ہے مگر مقامی باشندے کی نظر میں ایسے کمیشنوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ الجزائر میں جرائم کے سات سال میں کوئی ایک بھی فرانسیسی ایسا نہیں جسے کسی فرانسیسی عدالت کے سامنے کسی الجزائری کے قتل کے الزام میں مجرم ٹھرایا گیا ہو۔

☆☆**فرانز فینن**☆☆

الجزائر کی جھد آزادی کے گوریلا نوجوان شمس کی کھانی

ادارہ

ریگستان جو میرے سامنے اور میرے اردگرد پھیلا ہوا ہے یہی میری زندگی ہے مجھے اسی ریگستان میں مرنا ہے یہ ریت میرے خون کی پیاسی نہیں لیکن میں اسے اپنا خون پلاؤں گا۔ الجزائر کے مجھ جیسے بے شمار بیٹے اس ریگزار کو اپنا خون پلا چکے ہیں یہ ریگستان ہمارا ہے فرانسیسیوں کا نہیں اپنے وطن کی ریت غیروں کے دیس کے سونے سے زیادہ قیمتی اور مقدس ہوا کرتی ہے، میں ایسی باتیں نہیں جانتا تھا، مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ الجزائر میرا وطن ہے اور اس پر فرانسیسی قبضہ کر کے ہمارے بادشاہ بنے ہوئے ہیں وہ ہماری زمین کی پیداوار کے مالک ہیں ، ہماری زمین اور ہماری عزت اور ہمارے وقار کے مالک بنے ہیں۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ میری قوم کے بزرگوں اور نوجوانوں نے فرانسیسوں سے اپنا وطن چُھڑانے کیلئے مسلح جنگ شروع کر دی ہے اور اس جنگ کو ہمارے بادشاہ بغاوت کہتے ہیں اور جُرم کی جو سزا دیتے ہیں وہ سُنو تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ میرا باپ عرصہ اڑھائی سال سے گھر سے غائب ہے اور میری ماں کو اس کا کوئی غم نہیں۔ ماں نے مجھے بتا دیا تھا کہ میرا باپ اُن لوگوں کے ساتھ چلا گیا ہے جو فرانسیسی پولیس کی اذیتیں سہہ رہے ہیں جو وہی سہہ سکتے ہیں جن کے دلوں میں اپنے وطن کی محبت نہیں عشق ہوتا ہے اور وہ اپنی باتیں باپ نے بتائی تھیں انہیں میں خواب کی باتیں سمجھا تھا جیسے خواب میں باپ آیا اور میرے خون کو گرما گیا تھا۔ ماں نے دوسرے دن بتایا تھا میرا باپ واقعی آیا تھا یہ دو سال پہلے کا واقعہ ہے اُس وقت میری عمر 15 سال اور شاید دو تین مہینے اوپر ہو چکی تھی میں گہری نیند سویا ہوا تھا باپ نے مجھے جگایا بڑی مشکل سے میری آنکھیں کھلیں میری ماں باپ کے گلے لگ گئی تھی اُسے میں ایک عرصے بعد دیکھ رہا تھا۔ لیکن میری آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور میرا باپ تیز تیز بول رہا تھا مجھے اس کے الفاظ یاد ہیں جو یاد نہ رہے ماں نے بتا دیئے تھے۔

مجھے اُس رات پتا چلا کہ میرا باپ گرفتار ہو گیا تھا پہلے میں یہ بتا دوں کہ میرا باپ کسٹم کے محکمے میں آفسر تھا فرانسیسی زبان اپنی کی طرح بولتا تھا جس میں افسروں اور امیروں کے بچے پڑھا کرتے ہیں چوتھے سٹینڈرڈ تک بچیاں بھی ہمارے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ ان میں فرانسیسیوں کی بچیوں کے علاوہ اٹلی ، اسپین، جرمنی اور انگلینڈ کی بچیاں بھی تھیں اور ان میں الجرائر کی مسلمان بچیاں اور بچے بھی تھے۔ یہ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں امیر گھرانے کا بچہ تھا اور افسر کا بیٹا اور میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ قوم کے امیر لوگ اور لیڈر اگر یہ سمجھ بیٹھیں کہ لڑنا مرنا اور قربانی دنیا صرف غریبوں ، مزدوروں اور چھوٹے طبقے کے لوگوں کا کام ہے ایسی قوم ہمیشہ بدطنیت لوگوں غلام اور بدحال رہتی ہے ہم اپنے وطن کو آزاد کرالیں گے کیونکہ ہم سب امیر اور غریب ، افسر اور ماتحت ایک ہو گئے ہیں۔ میرا باپ حریت پسندوں کی مدد اس طرح کرتا تھا کہ انہیں اسلحہ بارود اور دوسرے جنگی ساز و سامان کی گاڑیوں کے متعلق اطلاعیں دیا کرتا اور انہیں فوجی راز بھی بتایا کرتا تھا۔ چھاپہ مار گوریلوں کے ساتھ درپردہ رابطہ تھا۔ ماں نے مجھے بتایا کہ فرانسیسیوں کی خفیہ پولیس کو اُس پر شک ہو گیا اور ایک روز پکڑا گیا۔

چھ مہینوں بعد، ایک رات گھر آیا اور اُس نے مجھے جگایا وہ جلدی میں تھا اُس نے کہا! ''میرے عزیز بیٹے! مجھے بھول جانا، میری باتیں نہ بھولنا ہم شاید کبھی نہ مل سکیں میں قید سے فرار ہو آیا ہوں۔ اب میں ادھر نہیں آسکوں گا میں مر جاؤں یا زندہ رہوں۔ تمہیں اپنے وطن کو آزاد کرانا ہے۔ تمہیں ماں بتا دے گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے میری وصیت یاد رکھو، ذہن سے اُتار دو کہ تم کسی افسر کے بیٹے ہو، میں نے جو آسائشیں مہیا کی تھیں انہیں بھول جاؤ تمہیں ریگستان میں کسی فرانسیسی کی گولی سے یا پیاس سے مرنا ہے لیکن مرنا صرف بہادری نہیں مار کر مرنے کو بہادری کہتے ہیں، میں رُک نہیں سکتا پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے مجھے یاد ہے کہ باپ نے مجھے جھنجوڑا تھا اور کہا تھا۔ جاگ میرے بیٹے جاگ جس قوم کے نوجوان سو جاتے ہیں اُس قوم کی قسمت سو جاتی ہے صبح میری آنکھ کھلی تو

میں نے ماں کو ابا کی باتیں سُنائیں تو ماں نے مسکرا کر کہا کہ وہ آئے تھے، اور جو باتیں کہ گئے ہیں وہ بھول نہ جانا، پھر ماں نے مجھے بتایا کہ میرے باپ کو ایک جیل سے دوسری جیل میں لے جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا قیدیوں کو رات کے وقت ادھر اُدھر لے جایا کرتے تھے تا کہ حُریت پسندوں کو پتہ نہ چل سکے لیکن اب کے حُریت پسندوں کو پتہ چل گیا، انہوں نے ویرانے میں قیدیوں کی گاڑی پر حملہ کر دیا چند ایک قیدی مارے گئے اور تمام فرانسیسی مارے گئے اور باقی قیدوں کے ساتھ میرا باپ آزاد ہو کر نکل آیا مجھے وصیت کر کے چلا گیا۔

میری ماں کے چہرے پر اور اُس کی باتوں میں افسوس اور غم کا اشارہ بھی نہیں ملتا تھا اُس نے مجھے وہ ساری باتیں یاد دلائیں جو باپ نے مجھ سے کہے تھے۔ ماں نے کہا وہ حریت اور شہادت کے راستے پر اپنے نشان چھوڑ گیا ہے یہ نشان تمہاری رہنمائی کریں گے جہاں قدموں کے نشان ختم ہونگے وہاں سے خون کے قطرے شروع ہوں گے یہ تمھارے باپ کا خون ہوگا قوموں کے بیٹوں کی رہنمائی باپوں کے خون کے قطرے کیا کرتے ہیں۔

الجزائر پر فرنسیسی میرے پیدا ہونے سے پہلے کے قابض تھے اُس وقت وہ بیویاں کہاں تھیں جو وطن کی آزادی پر اپنے خاوندوں اپنے سہاگ کو قربان کر دیا کرتی ہیں اور اپنے بچوں کو قربان کرنے والی مائیں کہاں تھیں؟ وہ یہیں تھیں وہ جس قوم اور مذہب کی بیٹیاں ہیں اس کی روایات کو وہ فراموش کیے بیٹھی تھیں ،مرد اپنے غیر ملکی بادشاؤں، قابض نے یہاں اپنے اسکول کھول دیئے تھے جہاں وہ ہماری روایت اور مذہب پر اپنا رنگ چڑھاتے چلے آرہے تھے۔ آخر باپوں کے سینوں میں قوم پرستی اور ایمان کی ٹمٹماتی ہوئی جل اُٹھی، بیٹے بیدار ہوگئے۔ ماؤں نے اپنے سہاگ قوم کے قدموں میں رکھ دیئے۔

اس سے اگلی رات کا واقعہ ہے، ماں مجھے میرے باپ کی باتیں سُنا رہی تھی کہ باہر کسی نے گاڑی کو بریکیں لگائیں ماں کے چہرے پر میں نے گھبراہٹ دیکھی اُس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔۔وہ آگئے ہیں۔کون؟۔۔۔میں نے خوشی سے پوچھا۔۔ابا؟

نہیں نہیں..... پولیس.....شاید فوجی ہونگے۔

ہمارا دروازہ کھٹکھٹایا نہیں توڑا جا رہا تھا۔فرانسیسی زبان میں جو ہم سمجھتے تھے کسی نے چلا کر کہا۔۔۔ماں دروازے کی طرف بڑھی، میں ماں کے پیچھے گیا، ماں نے دروازہ کھولا تو پولیس کے چار آدمی دوڑتے ہوئے اندر آئے اور کمروں میں داخل ہوگئے، وہ ہمارے گھر کی تلاشی لے رہے تھے برتنوں اور فرنیچر کو توڑ کر رائفلوں کے بٹ مار رہے تھے ہمارے گھر کے 2 کمرے ہیں۔انہوں نے ہر کمرے میں جا کر سامان تہہ و بالا کر دیا چھت پر گئے اور جب انہیں کچھ نہ ملا تو نیچے آکر مجھے اور میری ماں کھڑا کر لیا۔میرا خون اُبل رہا تھا میں فرانسیسیوں کو اپنا دشمن تو سمجھتا تھا ،لیکن اُس روز مجھے پتہ چلا کہ اس دشمن نے ہماری ذاتی عزت اور قومی وقار پر پاؤں رکھا ہوا ہے اور ہم جو ایک روایت قوم اور مذہب کے مالک ہیں قابض کے سامنے ذلیل وخوار مخلوق ہیں۔وہ کہاں ہے؟ ایک سارجنٹ نے میری ماں سے گرج کر پوچھا۔

کون؟۔۔۔تمھارا خاوند۔۔۔سارجنٹ کہا وہ یہاں آیا تھا۔

وہ چھ مہینوں سے لاپتہ ہے۔۔میری ماں نے جواب دیا، مجھے کچھ پتا نہیں کہاں ہے۔

اتنے میں ہمارا ایک پڑوسی اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اندر آگیا۔اُس کی بیٹی میری ہم عمر ہے اُس وقت ہم دونوں 15 سال کے تھے اُس کا نام مارکوئی تھا یہ لوگ اٹلی کے رہنے والے تھے ہمسایہ ہونے کی وجہ سے ہمارے ساتھ اُنکا اچھا لگاؤ تھا۔اٹلی اور یورپ کے بچے بھی ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے ہم دونوں ایک ہی گھوڑے پر اسکول جایا کرتے تھے مارکونی کا باپ محکمہ خوراک میں افسر تھا اور میرے باپ کا دوست بھی مارکونی کی ماں میری ماں کی سہیلی تھی وہ اور ہم آپس میں فرانسیسی زبان میں باتیں کرتے تھے۔

آپ لوگ کیا لینے آئے ہو، سارجنٹ نے مارکونی کے باپ سے کہا، وہ اسے یو رپی باشندہ سمجھ کر شرافت سے بولا تھا۔

میں اس کے خاتون اور اسکے بچے کی ضمانت دینے آیا ہوں۔۔مارکونی کے باپ نے کہا۔۔۔اس عورت کا خاوند مجرم اور باغی ہوسکتا ہے، پر اس عورت کو ہم 15,16 سالوں سے جانتے ہیں یہ تو خاوند کی ستائی ہوئی مظلوم عورت ہے اس سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیئے، یہ بدھو عورت ہے۔

اُس نے جھوٹ بولا تھا میری ماں میرے باپ کی ستائی ہوئی ہرگز نہیں تھیں اور میری ماں بدھو بھی نہیں تھیں یہ اطالوی مجھے اور میری ماں کو ان فرانسیسی درندوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا، میری ماں فوراً بدھو بن گئی۔

آپ یورپی ہیں اس لئے میں آپ کی ضمانت قبول کرسکتا ہوں، سارجنٹ نے کہا۔ اگر آپ جزائری ہوتے تو میں آپ کو بھی گرفتار کر کے لے جاتا ،سارجنٹ نے بڑی نفرت سے انگلی میری طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سانپ کا بچہ ہے اس عمر کے لڑکوں نے ہمارے ناک میں دم کر رکھا ہے قیدیوں کی گاڑی کو روکنے اور اس پر حملہ کر کے چھڑانے والوں میں پانچ مارے گئے تھے وہ پانچوں سولہ سے اٹھارہ سال کی عمر کے لڑکے تھے میں نے انکی لاشیں دیکھی ہیں ہمیں سب سے پہلے ان کی بدبخت اور مجرم قوم پرست مسلمانوں کے لڑکوں کو ختم کرنا پڑے گا۔

میری ماں نے لپک کر مجھے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اپنے ساتھ لگا کر بدھواور مظلوم ماں کی طرح گڑگڑ کر کہا۔۔میرا بچہ ایسا نہیں جائے گا میں خوش ہوں کہ اس کا باپ کہیں چلا گیا ہے

یہ میرا کلاس فیلو رہا ہے مارکونی نے سارجنٹ سے کہا اور میری طرف گہری نظروں سے دیکھا جیسے کہ رہی ہو کہ چُپ رہنا ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے میں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹنا شروع کر دیا ان فرانسیسیوں کا سلوک ہمارے ساتھ ایسا تھا جیسے وہ ہمیں ہماری گھر سے نکال دیں گے۔ میں نے سارجنٹ کو دیکھا وہ 25 سال سے کچھ زیادہ عمر کا خورد برد آدمی تھا۔ اور مسکراتے ہوئے مارکونی کو دیکھ رہا تھا مارکونی خوبصورت لڑکی تھی 15 سال کی عمر میں وہ زیادہ جو ان دکھائی دیتی تھی کیونکہ اُس کا قد لمبا تھا وہ سارجنٹ کو دیسی ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسی نظروں سے وہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ مارکونی کی سفارش کام کر گئی، سارجنٹ مجھے اور میری ماں کو دھمکیاں دے کر مارکونی کے باپ کے ساتھ باہر نکل گیا میں نے باہر جا کر دیکھا سارجنٹ مارکونی کے گھر چلا گیا تھا اور اُس کے سپاہی باہر گاڑی میں بیٹھے رہے ان یورپیوں میں شرم، حیا نہیں ہوتی ہے لیکن میں نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سوچا، میں جانتا تھا کہ سارجنٹ نے مارکونی کی سفارش کیوں قبول کر لی تھی اور وہ اُن کے گھر کیوں چلا گیا تھا، مجھے ایسا افسوس بالکل نہ ہوا کہ مارکونی کا تو میرے ساتھ لگاؤ تھا اور اب وہ ایک سارجنٹ کو اپنے گھر لے گئی ہے۔ اُس وقت میرا دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا کہ میں اپنے باپ کے نقش قدم پر کس طرح چل سکوں گا؟ مجھے ٹریننگ کون دوے گا؟ کس سے ملنا چاہئے؟

ان سارے سوالوں کا جواب مجھے اپنی ماں سے مل گئے اُس نے مجھے پہلا سبق یہ دیا کہ اگر اس طرح پولیس اچانک گھر میں آجائے تو فوراً بھیگی بلی بن جاؤ مسکین اور بھکاری بن جاؤ پولیس والے گالیاں دیں تو سر جھکا لو، احساس اور جذبات کو سینے میں دبا لو۔

میں دیکھ رہی تھی کہ پولیس کے سامنے تمھارا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ماں نے کہا اگر تم غصے کا ذرا سا بھی اظہار کر دیتے تو وہ تمھیں پکڑ کر لے جاتے۔ قوم کا ایک جوان ضائع ہو جاتا۔ زمین کے نیچے سے حملے کرنے میں فرانسیسیوں کے قدم کھڑ رہے ہیں۔ فتح ہماری ہوگی۔

اُس روز کے بعد میں نے کئی سارجنٹ کو مارکونی کے گھر آتے دیکھا لیکن مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، یہ تو مجھے خود ہی معلوم ہو گیا ہے کہ الجزائر کے نوجوان اگر عورت کے چکر میں پڑ جائیں تو غلامی کا شکنجہ اور زیادہ مظبوط، سخت ہو جائے گا میں نے 15 سال کی عمر میں سمجھ لیا تھا کہ ہمارے فرانسیسی حکمران ہمیں ذہنی عیاشی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں، میں مارکونی کو انہی نظروں سے دیکھتا رہا جن سے پہلے دیکھا کرتا تھا۔ میری ماں نے میری ٹریننگ کا انتظام کر دیا۔ تین ماہ بعد ایک روز مارکونی ہمارے گھر آئی اور مجھ سے رازداری سے پوچھا۔۔تمھارے گھر میں کوئی ایسی چیز تو نہیں؟ میرا مطلب ہے کوئی اسلحہ یا ایمونیشن وغیرہ؟

میرے گھر میں اسلحہ اور ایمونیشن کہاں سے آسکتا ہے؟

شمس! مجھ سے کچھ چُھپانے کی کوشش نہ کرو، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس میں تمہارا فائدہ ہے اور اس میں تمہاری ماں کی عزت ہے۔ میں جانتی ہوں تم کیا کر رہے ہو۔۔۔ مارکونی نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے۔۔فرانسیسی سارجنٹ نے تمہاری فطرت ہی بدل ڈالی ہے۔ میں نے طنزیہ کہا، تم نے مخبری شروع کر دی ہے۔

شمس۔۔۔! اُس نے مجھے جھنجوڑ کے کہا۔۔۔ میں واقعی مخبری کر رہی ہوں، میں تمھیں راز کی یہ بات بتانے آئی ہوں کہ آج رات تمھارے گھر پر پولیس کا چھاپہ پڑے گا اگر گھر میں کوئی قابل اعتراض چیز ہے تو اسے زمین میں دبا دو یا مجھے دے دو یا کہیں اور غائب کر دو۔ وہ چلی گئی میں کچھ میں سمجھ نہ سکا، مارکونی پر مجھے بھروسہ کرنا چاہیئے یا نا۔۔۔۔ میں نے ماں کو بتایا۔۔اُس نے کہا کہ کوئی غیر مذہب ہمارا دوست نہیں ہوسکتا، یورپ کے کسی باشندے پر اعتبار نہیں کرنا چا

ہیے۔۔مارکونی بھید لینے آئی تھی کہ گھر میں اسلحہ ہے یا نہیں۔
میرے گھر میں دو خنجر تھے جو فرانسیسی حکومت کے حکم کے مطابق رکھنا جرم تھا ،اُس کے علاوہ ایک 32 بور کا پستول ہمارے گھر 15 دن پہلے آیا تھا۔ایک آدمی لایا تھا جسے میری ماں جانتی تھی ،اُس نے کہا تھا کہ میرے باپ نے میرے لیے بھیجا ہے باپ کی زندگی اب ریگستان میں گزر رہی تھی ۔جس روز مارکونی نے آکر مجھے خبردار کیا تھا اُسی شام ایک غلیظ سے بھکاری نے ہمارے دروازے پر دستک دی میں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر آ گیا اُس کی لمبی داڑھی میلے کپڑے پھٹے ہوئے اور بدبودار میں نے اُسے اندر آنے سے روکا لیکن وہ اندر آ گیا اور ہنس کر بولا۔اگر بیٹے نے مجھے نہیں پہچانا تو فرانسیسی پولیس بھی مجھے نہیں پہچان سکے گی ،میرا بہروپ کامیاب رہا۔آپ کو یہاں نہیں رُکنا چاہیے، میں نے باپ سے کہا اور انہیں بتایا کہ مارکونی کی دوستی ایک فرانسیسی سارجنٹ سے ہوگئی اور وہ بتا چکی ہے کہ آج رات ہمارے گھر چھاپہ پڑے گا۔
باپ نے ماں کو کچھ رقم دی اور کہا۔''اس لڑکی کا مطلب خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، مجھے یہاں نہیں رُکنا چاہیئے میں پھر کبھی آؤں گا۔گھر میں اگر کوئی ہتھیار رہے تو چھپا دو''
باپ چلا گیا اُس سے ایک ہی گھنٹہ بعد ہمارا دروازہ کسی کی دستک سے ٹوٹنے لگا ۔اس کے ساتھ ہی چھت پر کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔میری ماں نے دروازہ کھولا ، پولیس کے 4 آدمی ٹارچیں روشن کیے اندر آ گئے 2 چھت سے اُترے اور انہوں نے ہمارے گھر کے سامان کا یہ حال کر دیا جیسے ڈاکہ پڑا ہو،اس پولیس پارٹی کے ساتھ ایک اور سارجنٹ تھا اُس نے مجھے اور میری ماں کو اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔تم نے اسکول جانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ سارجنٹ نے مجھ سے پوچھا اسے میں نے اسکول سے ہٹا دیا ہے میری ماں نے جواب دیا۔۔آپ کو معلوم ہے کہ اس کا باپ جیل خانے میں پڑا ہے، میں اسے کیسے پڑھا سکتی ہوں دوسرا ڈر یہ ہے کہ باہر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں، میں نہیں چاہتی کہ میرا اکلوتا بیٹا حالات کا شکار ہو جائے۔
تمھارا خاوند قید سے فرار ہو چکا ہے۔۔سارجنٹ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا ۔۔تم اچھی طرح جانتی ہو وہ کہاں ہے اور یہ لڑکا باغیوں کے پاس جاتا ہے اگر اپنے خاوند کو سراغ دے دو تو آرام سے زندگی بسر کر سکو گی ،اس کے علاوہ اپنے اس بیٹے پر نظر رکھو اگر یہ پکڑا گیا تو تمھیں ساری عمر نہیں ملے گا۔قابض گالیاں دیتے ہوئے چلا گیا اور ماں بہت دیر تک کھلے ہوئے دروازہ کو دیکھتی رہی ۔۔میں نے انکی سرگوشی سُنی ۔۔میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے وطن پر قربان کر دیا ہے۔کچھ دیر بعد مارکونی آ گئی اور بولی ۔۔۔اب تو مجھ پر اعتبار کرو گے۔شمس! میں فرانسیسی نہیں ،اطالوی ہوں پھر وہ سارجنٹ تمھارے گھر کیوں آتا ہے؟ تم اُسکے ساتھ باہر کیوں جاتی ہو۔میں نے پوچھا
میں اُسکے ساتھ شادی کر رہی ہوں اُس نے جواب دیا میرے ماں باپ نے مجھے اجازت دے دی ہے۔لیکن میں تمھیں دھوکہ نہیں دونگی تم میرے بچپن کے ساتھی ہو،تم حق پر ہو۔
مارکونی کی شادی اس سارجنٹ کے ساتھ ہوگئی۔اُس وقت تک میں چوری چھپے تھوڑی سی فوجی تربیت حاصل کر چکا تھا۔مارکونی اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی۔
ایک رات میرا باپ اُسی بہروپ میں آیا جس میں پہلے آ چکا تھا اُس نے میری ماں سے کہا۔۔میں تمھارے بچے کو لے جا رہا ہوں اسے خدا حافظ کہو، کبھی کبھی میری طرح آ جایا کرے گا
ماں کے آنسو بہنے لگے اُس نے مجھے گلے لگایا، میرا سر اور میرے گال چُومے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔۔۔''اگر تم صرف میرے بیٹے ہو، الجزائر کی مائیں اپنے بیٹوں کو اپنی ملکیت نہیں سمجھ سکتیں انکے بیٹے وطن کی امانت ہیں۔جا بیٹے میں تمہیں وطن اور خدا کے حوالے کرتی ہوں''
کوشش کے باوجود میں اپنے آنسو نہ روک سکا میرے باپ نے ماں سے کہا ۔۔پولیس آئے اور اس کا پوچھے تو رو پڑنا اور کہنا کہ میرا بیٹا گھر سے بھاگ گیا ہے۔
میں باپ کے ساتھ چلا گیا شہر سے چُھپ چُھپ کر نکلے کوئی ایک میل دُور اندھیرے میں ایک آدمی دو اونٹوں کے پاس کھڑا تھا ایک اونٹ پر باپ نے مجھے اپنے ساتھ سوار کیا دوسرے پر وہ آدمی سوار ہو گیا پھر ہم اُس منزل کو روانہ ہو گئے جہاں میں آج ہوں۔
آدھی رات کے بعد ہم ایسے علاقے میں پہنچے جہاں مٹی اور ریت کے اونچے ٹیلے تھے بعض ٹیلے ستونوں کی طرح بعض دیواروں کیطرح کھڑے تھے بعض ایسی شکلوں کے تھے جیسے کسی قدیم عمارت کے کھنڈر ہوں اونٹ ان میں گھومتے

اور مڑتے ہوئے ایک جگہ رُک گئے جہاں دو لالیٹن روشن تھیں اور بہت سا رے آدمی گپ شپ لگا رہے تھے میرے تعارف کے بعد ایک آدمی نے میر ے ہاتھ قرآن پر رکھا اور حلف لیا۔ ''میں خدا کو حاضر و ناضر جان کر قسم کھا تا ہوں کہ اپنے وطن کی مٹی کی قسم کھا تا ہوں کہ کوئی راز فاش نہیں کروں گا۔ قید کی صورت میں ہر اذیت اور تشدد برداشت کروں گا۔ اپنے کسی ساتھی کی نشاندہی نہیں کروں گا''

اس حلف نے مجھے عمر سے زیادہ جوان کر دیا اور ایسے لگا جیسے میں وہ نہیں ہوں جو ایک افسر کا بیٹا تھا اور جس نے فرانسیسی سکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دو تین روز بعد مجھے دشمن کے ٹرکوں پر حملے کرنے کی ٹریننگ اس طرح دی جانے لگی جس طرح شیرنی اپنے بچوں کو شکار کی ٹریننگ دیا کرتی ہے فرانسیسیوں نے ریگستان میں کہیں کہیں چوکیاں بنا رکھی ہیں جو مٹی کی دیواروں کے چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں ہم ان پر فائرنگ کیا کرتے ہیں انہیں راشن وغیرہ پہنچانے کیلئے ٹرک جایا کرتے ہیں ہم ان ٹرکوں کو روکنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

میں کئی معرکوں میں کامیاب لوٹا، تین بار بھکاریوں کے بھیس میں ماں سے مل آیا۔ شہروں، قصبوں اور دیہات میں ہمارے گھر ہیں۔ وہاں ہمارے عزیز رشتہ دار رہتے ہیں مگر ہم میں سے جو مارے جاتے ہیں انہیں ہم ریگستان میں دفن کر دیتے ہیں اُن کی لاشیں ہم اُن کے گھروں تک نہیں پہنچا سکتے۔

میں نے کئی معرکے لڑے ہیں ایک روز مخبروں نے آکر بتایا کہ کچھ قیدی ایک جیل خانے سے کسی دوسری جگہ لے جائے جا رہے ہیں۔ تین گاڑیاں بتائی گئی تھیں ان کی روانگی کا وقت شام سے پہلے کا تھا لیڈر نے ان گاڑیوں پر حملہ کر نے کے لئے مجھے بھی منتخب کرایا تھا ہم کل 15 آدمی تھے۔ جس سڑک پر گاڑیاں آ رہی تھیں وہ ایک ایسی جگہ سے گزرتی ہے جہاں دونوں طرف ریتیلی چٹانیں ہیں اس علاقے کے ساتھ ہی دو گاؤں ہیں ہم وقت پر وہاں پہنچ گئے اور لیڈر نے ہمیں گھات میں بٹھا دیا، گھات کیلئے علاقہ نہایت اچھا تھا ٹیلوں کی اوٹ بہت اچھی تھی، درخت ایک بھی نہیں تھا مجھے باپ نے ایسی جگہ پوزیشن میں بٹھایا جو سڑک کے قریب تھی میرا کام یہ تھا کہ مجھے اگلی گاڑی کے ڈرائیور کو گولی مارنی تھی اور اگر کوئی خطا جائے تو گاڑی کے ٹائروں پر فائر کرنا تھا۔ میرے پاس رائفل تھی۔ میرے دوسرے ساتھیوں کو بھی ہدایات دے دی گئی تھیں۔ صحرا کی یہ سڑک ٹیلوں کے اُوپر سے دور تک نظر آتی تھی پندرہ بیس منٹ بعد ہمیں دُور کی گونج سُنائی دی جو تیزی سے بڑھی آئی اور یہ ہوائی جہاز کی آواز تھی دوسری جنگ عظیم کے وقت کا ایک لڑاکا بمبار ہوائی جہاز بڑی کم بلندی پر آ رہا تھا ہمیں اپنے لیڈر کی للکار سُنائی دی۔ ۔چُھپ جاؤ۔ ہم سب جہاں تھے وہیں چُھپ گئے، ہوائی جہاز اتنی کم بلندی سے ہمارے اُوپر سے گزرا کہ ہم اسے رائفلوں کی گولیوں سے گرا سکتے تھے، وہ آگے جا کر واپس آ گیا اور ہمارے اوپر دو تین چکر کاٹ کر جدھر سے آیا تھا اُدھر ہی چلا گیا، یہ ہمارے لیے خطرہ تھا۔ یہ قیدیوں کی گاڑی کی حفاظت کیلئے آیا تھا حُریت پسندوں نے فوج گاڑیوں پر اتنے حملے شروع کر دیئے تھے کہ ان فرانسیسی حکومت نے کانوایوں کی حفاظت کیلئے ہوائی جہاز استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔

ہمارے پاس طیارہ شکن گنیں نہیں تھیں ہوائی جہازوں کے مقابلے میں ہم نہتے تھے لیکن ہمیں بے تیغ لڑنا تھا ہمارے لیڈر ہمیں کہا کرتے ہیں کہ یہ وطن کی لڑائی ہے میں جس جگہ تھا وہاں سے مجھے تقریباً ایک میل دُور تک سڑک نظر آتی تھی۔ میں اُدھر دیکھ رہا تھا کہ مجھے دُور سے قیدیوں کے قافلے کی پہلی گاڑی نظر آئی ٹیلوں یعنی ہماری گھات میں سے مجھے اپنے باپ کی للکار سُنائی دی۔ وہ اُوپر تھا اُس نے بلند آواز سے کہا۔ ۔خبردار گاڑیاں زیادہ ہیں۔ ۔گاڑیاں زیادہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ گارڈ کی نفری زیادہ ہے۔ قیدیوں کو ہم سب پہنچانتے تھے یہ پنجرے کے بنے ہوئے ہیں۔ ان پر فائر کرتے وقت ہمیں احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ کوئی قیدی نہ مارا جائے الجزائر میں اخلاقی قیدیوں کی بہت کمی ہے سب بغاوت کے جرم میں پکڑے ہوئے ہیں یہ قیدی جو ہمارے سامنے گزرنے والے تھے حُریت پسند تھے اور بعض مختلف معرکوں اور چھاپوں میں گرفتار ہوئے ہم انہیں چھڑانے آئے تھے اپنے لیڈر کی للکار سُنائی دی۔ ۔خبردار اوپر ہوائی جہاز ہے۔

گاڑیاں کم و بیش ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہمارے قریب آ گئی تھیں پہلے ہوائی جہاز اوپر سے گزر گیا مجھے اگلی گاڑی کی سکرین ٹوٹی نظر آئی گاڑی سیدھی گزر گئی میں نے دونوں ٹائروں پر بڑی تیزی سے دو گولیاں فائر کیں اسکے ساتھ ہی میری باقی پارٹی نے فائرنگ شروع کر دی۔ اگلی گاڑی اچانک دائیں کو گھومی اور اُلٹ گئی میرا خیال ہے میری گولی ڈرائیور کو لگی تھی اس گاڑی نے

سڑک بند کر دی، قیدیوں کی گاڑیاں صرف دو تھیں۔ گارڈ کی نفری نوے کے قریب تھی انکے پاس مشین گنین تھیں اور ہم صرف 15 تھے، اگلی گاڑی گارڈ کی تھی۔ وہ تو بیکار ہو چکی تھی کیونکہ گاڑی اُلٹ گئی تھی اوپر سے ہماری فائرنگ نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی اٹھنے نہ دیا۔

دوسری گاڑیوں کی گارڈ نے مقابلہ شروع کر دیا، پوزیشن تو ہماری اچھی تھی مگر اوپر سے ہوائی جہاز آ گیا گارڈ کے پاس شاید وائرلیس سیٹ تھے اس جہاز غوطے میں آیا اور اس کی مشین گنوں نے گولیوں کا مینہ برسا دیا ہماری توجہ نیچے گارڈ پر تھی اُس کا بہت نقصان ہو چکا تھا مگر ہوائی جہاز کی بار بار فائرنگ سے ہماری پوزیشن کمزور ہو گئی ہوائی جہاز آتا تھا تو ہم دبک جاتے تھے اس دوران پولیس کی نفری اچھی پوزیشن ہیں ہو جاتی تھی بہت سے سپاہی ٹیلوں کے اندر آ گئے۔ میں نے اپنی پوزیشن بدل لی اور کچھ اوپر چلا گیا۔ دو ٹیلوں کے درمیان مجھے دو فرانسیسی نظر آئے میں انہیں نظر نہیں آ سکتا تھا سورج غروب ہو رہا تھا میں نے ان دونوں میں سے ایک کو پہنچان لیا وہ سارجنٹ تھا، مارکونی کا خاوند اُس کے ہاتھ میں سٹین گن تھی وہ ٹیلے کے ساتھ لگا نہایت آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ ''میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی'' تم حق پر ہو، میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گی''

میری انگلی رائفل کے ٹریگر سے ہٹ گئی مارکونی نے مجھے دھوکہ نہیں دیا تھا، اگر وہ مجھے اُس رات خبردار نہ کر دیتی کہ میرے گھر پر پولیس کا چھاپہ پڑے گا تو میرا باپ پکڑا جاتا اور میرے گھر سے پستول اور دو خنجر برآمد ہوتے اور میں بھی باپ کے ساتھ جیل خانے میں اذیتیں سہہ رہے ہوتے۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ کہ مارکونی کو بیوہ کر دوں یا اُس کے احسان کا صلہ دوں، مجھے اچانک اپنی قوم کی بیوائیں یاد آ گئیں جن کے خاوندوں کو فرانسیسیوں نے شہید اور قید کیا تھا۔ الجزائر کی بیوی، بیوہ ہونے کی منتظر رہتی تھی۔ میری انگلی ٹریگر پر چلی گئی اور میں نے اللہ سے بخشش مانگ کر انگلی دبا دی مارکونی کا خاوند سیدھا ہو گیا پھر ایک پہلو پر گرا میں نے دوسری گولی چلائی اور سارجنٹ کا ساتھی بھی ڈھیر ہو گیا۔ ہم قیدیوں کو آزاد نہ کرا سکے اُن کی گاڑیوں نکل گئی تھیں ہوائی جہاز چلا گیا تھا مگر پھر آ گیا، شاید یہ دوسرا تھا تھوڑی دیر شام کی تاریکی نے ہمیں چُھپا لیا، ہوائی جہاز چلا گیا، میرے پندرہ ساتھیوں میں سے آٹھ شہید ہو چکے تھے، میرا باپ زخمی تھا۔ رات کو ہم لاشیں اٹھائے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ 37 پولیس والے مارے گئے اور کچھ اسلحہ ہمارے ہاتھ لگا۔

سات آٹھ روز بعد میں بھکاریوں کے بھیس میں اپنی ماں کو دیکھنے گیا۔ اُس نے بتایا کہ مارکونی کا خاوند مارا گیا۔ اور وہ بہت غمگیں ہے، میں نے ماں کو نہ بتایا کہ مارکونی میرے ہاتھوں بیوہ ہوئی ہے ماں سے میں نے کہا وہ کسی بہانے مارکونی کو یہاں لے آئے۔

معلوم نہیں کس بہانے ماں مارکونی کو اپنے ساتھ لے آئی۔ میں اُسے الگ کمرے میں لے گیا وہ بہت غمگیں تھی اُس کی آنکھیں سُوجی ہوئی تھیں۔ مارکونی۔۔۔ میں نے اُسے کہا۔ ''میں نے اپنا قومی فرض ادا کیا ہے جس سے تم بیوہ ہو گئی ہو، تمہارا سہاگ میری گولی کا نشانہ بنا ہے تمہارا شوہر میرے سامنے آ گیا تھا اور میں نے قوم کا فرض پورا کیا اب میں ذاتی فرض ادا کرنا چاہتے ہوں۔ میں نے اپنے کپڑوں کے اندر چُھپایا ہوا پستول نکالا،، پستول مارکونی کیطرف بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ یہ لو اور اپنے خاوند کا بدلہ لے لو، میں نے تمہیں اس لے بلایا ہے میں تمہارا احسان کا صلہ نہیں دے سکا اپنی جان دے سکتا ہوں یہ لو پستول میری جان لے لو، ایک بات کہوں گا، میری ماں سے انتقام نہ لینا۔

اُس نے پستول میرے ہاتھ سے لے لیا، اسے دیکھا، پھر مجھے دیکھا اور اُس کے آنسو بہنے لگے اُس نے پستول مجھے دے دیا۔۔ چلے جاؤ شمس! یہاں سے چلے جاؤ۔۔ اُس روتے ہوئے دانت پیس کر بولی ''اپنی ماں کو یہاں سے لے جاؤ اُسے کہیں غائب کر دو، کہیں ایسا نہ ہوں میں اُسی سے انتقام لے لوں، اُسے لے جاؤ ورنہ میری رپورٹ پر پکڑی جائے گی وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

اب میری ماں ایسی جگہ میں ہے جہاں اسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ وہ ماں جو شہزادی تھی، افسر کی بیوی جسے گھر میں امیرانہ آسائشیں حاصل تھیں، اب چھوٹی سی ایک صحرائی گاؤں میں دو بکریاں پال رہی ہے۔ روکھی سوکھی کھاتی ہے۔ میں اور کبھی میرا باپ اُسے دیکھنے جاتے ہیں تو مسکراتی ہوئی ملتی ہے اور کہا کرتی ہے ''الجزائر آزاد ہو کر رہے گا، ریگستان کی ریت شہیدوں کی خوں سے تر ہو چکی ہے آزادی کی کونپل پُھوٹے گی۔

بشکریہ : ماہنامہ سنگر

اختر مینگل کی سیاسی حماقت

ملک سراج اکبر ایڈیٹر ان چیف آن لائن نیوز پیپر "دی بلوچ حال" ترجمہ : بورتاچ بلوچ

ایک ایسے وقت میں جب اقوام متحدہ نے اپنے ورکنگ گروپ کو بلوچستان میں جبری گمشدگیوں کے تحقیقات کے حوالے سے بھیجا ہوا اور انہوں نے اپنے سفارشات میں پاکستانی فوج پر کڑی تنقید کی ہو تو اس نازک مرحلے پر ایک قد آور بلوچ لیڈر کو پاکستانی عدالت عالیہ سے اپنی وفاداری نبھانا زیب نہیں دیتا ۔ جہاں بلوچ سرزمین پر اقوام متحدہ کی مداخلت کے اثرات نظر آرہے تھے وہاں سردار مینگل کی آمد اقوام متحدہ کو ایک قدم پیچھے ہٹنے کا جواز فراہم کرسکتی ہے اور وہ بلوچستان کو پاکستان کا اندرونی معاملہ قرار دے سکتی ہے ۔ اس تناظر میں اب بلوچ مفادات اس بات پر منحصر ہیں کہ وہ بلوچ مسئلے کو عالمی طور پر مزید اجاگر کریں تاکہ انسانی حقوق کے زیادہ سے زیادہ تنظیمیں اور عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندے شفاف طریقے سے بلوچ مسئلے کو بلوچ قومی کی خواہشوں کے عین مطابق حل کرنے میں مدد فراہم کریں ۔ ایسے ڈرامائی فیصلے کے بعد کوئی بھی بی این پی کے بلوچستان کے حوالے سے دلچسپی اور سیاسی موقف پر شکوک کا اظہار کرسکتا ہے ۔ قبل ازیں بی این پی نے صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کیا مگر بعد میں یہ اپنے مطالبے کو سخت کر کے حق خودارادیت کا مطالبہ کرنے لگی ۔ حق خود ارادیت کا مطالبہ اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی کسی ریاست سے مکمل طور پر مایوس و ناامید ہوجاتا ہے ۔ اب پاکستانی عدالت عالیہ پر اعتماد کرنا بی این پی کے اس موقف اور بیرونی اداروں کی مداخلت کے مطالبے کو بالکل رد کردیتی ہے ۔ قوم پرستوں کی کامیابی کے حوالے سے بلوچستان کی تاریخ میں 2012 ایک بے نظیر سال رہا ہے ۔ فروری میں امریکی ایوان نمائندگان میں بلوچستان حوالے ایک سنوائی کا انعقاد کیا گیا تھا ۔ امریکی ایوان نمائندگان میں دونوں ریپبلیکن اور ڈیموکریٹک کے ممبران نے مشترکہ طور پر بلوچستان کی حق خودارادیت کو تسلیم کیا تھا ۔

ایک دفعہ پھر 27 مارچ کو بلوچستان کے ان کانگریس مین نے واشنگٹن ڈی سی کے نیشنل پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس بلائی تھی جہاں انہوں نے بلوچستان کے حق خود ارادیت کے حوالے سے اپنے مطالبے کو دہرایا ۔ جیسے بلوچ مسئلے نے عالمی حمایت حاصل کرنا شروع کیا تو اقوام متحدہ نے بھی ایک ورکنگ گروپ بلوچستان بھیجا تاکہ وہ لاپتہ افراد کے مسئلے کو حل کریں ۔ مینگل صاحب کی آمد نے اسلام آباد کیلئے مزید آسانیاں پیدا کیں یعنی مستقبل میں بلوچستان میں اقوام متحدہ کے مداخلت کے سارے دروازے بند کرے ۔ اسلیئے اب سردار مینگل کے ایسے فیصلے سے پھر ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ پاکستانی ادارے خود بلوچستان کے پیچیدہ مسئلے سے نمٹ سکتے ہیں ۔

ہم بی ایس او (آزاد) سے اتفاق کرتے ہیں کہ مینگل صاحب کا یہ قدم بلوچوں کے قاتلوں سے ہاتھ ملانے کے مترادف ہے ۔ عدالت عالیہ بلوچ قوم کو دھوکہ دے رہی ہے ۔ عدالت عالیہ تو ہر دور میں موجود تھی پہلی گمشدگی (دوران انسرجنسی میں) 2000 کے اوائل می ہوئی تھی ۔ پہلی گمشدگی کو ایک دہائی گزرنے کے باوجود اب تک عدالت عالیہ ایک بھی ذمہ دار کو سزا دینے میں کامیاب نہیں سکی ہے ۔ اس بات کے ٹھوس شواہد موجود ہیں کہ بلوچوں کے خلاف ان ظالمانہ اقدامات کے پیچھے ملٹری اسٹیبلشمٹ کا ہاتھ ہے ۔ چیف جسٹس بلوچ لاپتہ افراد کو ایک سیاسی کارڈ کے طور پر استعمال کرتے آرہے ہیں مگر یہ سب لاحاصل ثابت ہورہے ہیں ۔ اب مینگل صاحب کے اس بات میں کوئی وزن ہی نہیں کہ عدالت عالیہ بلوچ قوم کیلئے آخری امید ہے ۔ کوئی کیسے پاکستانیوں پر بھروسہ کرے گا جب کہ انکی گورنمنٹ کے انتظامی اور قانون ساز ادارے بلوچوں کو راضی کرنے کے حوالے

سے اعتماد سازی میں ناکام ہو چکے ہیں؟ البتہ لاپتہ افراد کا مسئلہ سب سے اہم اور سنگین ہے مگر اسلام آباد اور بلوچستان کے درمیان خلاء کی وجہ نہیں ، بلوچستان کا مسئلہ انسانی حقوق کی پامالی تک محدود نہیں ۔ بلوچستان کا مسئلہ بہت ہی پیچیدہ سیاسی مسئلہ ہے جس کا حل صرف انسانی حقوق کی پامالیوں کی نشاندہی کرنے سے نہیں نکل سکتا ۔

چنانچہ اگر اسلام آباد حقیقی طور پر انسانی حقوق کی پامالیوں کا نوٹس لے تو اسکو اعتماد سازی قرار دیا جاسکتا ہے جو دوسرے سیاسی مسائل کے حل کیلئے مذاکرات کی راہ ہموار کرسکتی ہے ۔ بلوچوں کی مسخ شدہ لاشیں مل رہی ہیں اور یہ سلسلہ UN کے روکنگ گروپ کی آمد تک جاری تھا ۔

نام نہاد پاکستانی لبرل سیاستدان جیسے سینیٹر رضا ربانی عوام میں جاکر بڑی بے شرمی سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ کو اگلی مرتبہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ بلوچستان کے حوالے سے کوئی بھی مشن بھیجے ۔ جب پاکستانی سیاستدان اور تجزیہ نگار بلوچستان کے خلاف متحد ہوسکتے ہیں تو ہمارے لیڈران کو بھی چاہیئے کہ وہ یہ ہنر سیکھیں اور بلا جھجک بلوچ مطالبے کو سامنے لائیں ۔ ہم سردار مینگل اور پاکستان کے درمیان کسی بھی سمجھوتے کے بارے میں قطعی لاعلم ہیں جو کہ ان کے چار سالہ خودساختہ جلاوطنی کو ختم کرنے کا باعث بنی ہے ۔ ہم سردار صاحب کے اس عمل کو BNP کی فاش سیاسی غلطی قرار دیتے ہیں جو وقتی طور پر شاید انکے لیئے سودمند ہو مگر پاکستان سے کوئی بھی قربت عظیم تر بلوچ مفادات کو نقصان پہنچاسکتی ہے ۔

جب کہ کچھ بلوچ پارٹیاں سردار مینگل کو اس حوالے سے بھی تنقید کا نشانہ بنا چکی ہیں کہ انہوں نے بغیر انکی مشاورت کے 2006 میں نواب اکبر خان بگٹی کی شہادت کے ردعمل میں اسمبلی نشستوں سے استعفیٰ دیا تھا ۔ لیکن اب وہ مذید تنقید کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک بار پھر وہاں کے اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت کے بغیر ایک اہم فیصلہ کیا ہے ۔ بی این پی خود کو اس لیئے نیشنل پارٹی اور جے ڈبلیو پی سے الگ ظاہر کرنے کی کوشش کررہی ہے تاکہ اس پر اسٹیبلشمنٹ کے حوالے سے نرم گوشہ رکھنے والی پارٹی کا ٹھپہ نہ پڑے ۔

کسی بھی قوم کی زندگی میں وہ وقت ضرور آتا ہے جب اس کے پاس انتخاب کیلئے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ۔ اطاعت یا جنگ ۔ جنوبی افریقہ کیلئے اب وہ وقت آگیا ہے ۔ لہٰذا ہمارا انتخاب اطاعت کے خلاف جنگ ہے ۔ ہم اطاعت گزار نہیں بنیں گے بلکہ اپنے تمام تر وسائل اور اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اپنے عوام کا دفاع کرتے ہوئے اپنے مستقبل اور آزادی کیلئے جدوجہد کرتے رہیں گے ۔

☆☆ **نیلسن منڈیلا** ☆☆

بلوچ تحریک آزادی اور پاکستان کے پارلیمانی انتخابات...پمفلٹ

ادارہ

پاکستانی قبضہ گیریت کے خلاف پانچویں بلوچ جنگ آزادی کی کامیاب جنگی حکمت عملی نے پاکستان کو سیاسی، معاشی اور عسکری طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان کی درندہ صفت فوج اور تہذیب سے عاری خفیہ اداروں (آئی ایس آئی، ایم آئی) کی تمام تر درندگی اور وحشیانہ اقدامات کے باجود بلوچ فرزندوں کے جذبہ آزادی میں کمی کے بجائے مزید شدت اور قومی تحریک کی نمایاں کامیابی نے جہاں پاکستان کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے نفسیاتی ہیجان میں مبتلا کر دیا ہے وہاں عالمی برادری بھی اس بات کا اچھی طرح ادراک کر چکی ہے کہ جنوبی ایشیا جیسے اہم خطے میں امن و آشتی کا راز بلوچ قومی آزادی میں پوشیدہ ہے۔

بلوچستان کی فضا کو اپنے لہو سے معطر کرنے والے قومی فرزندوں کی انگنت اور لازوال قربانیوں کی وجہ سے آزادی کی صبح صادق کے طلوع ہوتے سورج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دشمن کے اوسان خطا ہو گئے ہیں اور وہ تمام تر انسانی اقدار، مروجہ اصولوں اور جنگی قوانین کو پاؤں تلے روند کر اپنی فوج اور انٹیلی جنس اداروں کے ذریعے بلوچ فرزندوں پر بے تحاشا ظلم ڈھا کر وحشت اور درندگی کی بدترین مثال قائم کرنے میں مصروف ہے۔ مگر جبر و تشدد، دھونس دھمکیوں اور بے ضمیر غداروں کے ذریعے بلوچ تحریک آزادی کے خلاف گمراہ کن اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے بلوچ قومی تحریک آزادی کو روکنے میں ناکامی کے بعد اب پاکستان نام نہاد قوم پرستوں کے ذریعے بلوچ سرزمین پر اپنے پارلیمانی انتخابات منعقد کروا کر بلوچ قوم کی محکومی پر مہر ثبت کرنے کا خواب دیکھ کر اپنی انا کو تسکین پہنچانے کی لاحاصل کوششوں میں مصروف ہے۔

غیور بلوچ فرزندو...!

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ قبضہ گیر کے تمام ادارے پارلیمنٹ، عدلیہ، نوکر شاہی، فوج و دیگر تمام ادارے محکوم قوم کی بربادی کا سامان پیدا کر کے اسکی محکومی کو برقرار رکھنے کیلئے ہی ہوتی ہیں۔ تاریخ عالم میں تمام قابضین اور نوآبادیاتی قوتیں اپنی قبضہ گیریت کو جمہوریت اور آئین و قانون کا لبادہ پہنا کر مقبوضہ سرزمین پر اپنے قبضے کو دوام دینے کی ہمیشہ سے کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔ قابض کے کسی بھی ادارے سے خیر کی توقع رکھنا محکوم قوم کیلئے اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور اپنی بقاء و تشخص کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے سوا کچھ نہیں۔ بلوچ سرزمین پر جبراً قابض پاکستان اپنے تمام شیطانی حربوں اور ظلم و جبر کی پالیسیوں کو آزمانے کے باوجود بلوچ قومی جہدکاروں سے اپنی واضح شکست کے بعد بلوچ سرزمین پر اپنے وجود کی گرتی دیوار کو پارلیمانی انتخابات کی بیساکھیوں کا سہارا لے کر اپنے زرخرید پارلیمانی حواریوں کی گود میں پناہ تلاش کر رہا ہے۔ پاکستان بلوچ سرزمین کا سودا کرنے کے خواہشمند چند بے ضمیر افراد کو بلوچ قومی نمائندہ ظاہر کر کے اور قوم پرستی کا لبادہ پہنا کر اپنے پارلیمنٹ میں لے جا کر دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ بلوچ قوم اسکی قبضہ گیریت کے خلاف نہیں بلکہ انتخابی عمل میں حصہ لے کر اس نے اپنی سرزمین پر پاکستان کے وجود کو اپنی مرضی و منشاء سے تسلیم کر لیا ہے اور بدقسمتی سے ہم میں سے چند ناواقف لوگ کرسی کے پجاری پارلیمنٹ پرستوں کے جھانسے میں آتے ہوئے پاکستان کے انتخابی عمل میں حصہ لے کر مادر وطن کا سودا کرنے میں شریک ہونے جیسے گناہ کا مرتکب ٹھرتے ہیں۔

باضمیر بلوچ فرزندو...!

آیئے پاکستان اور اسکے پارلیمانی حواریوں کے ناپاک عزائم و ارادوں اور بلوچستان میں پارلیمانی انتخابات کے انعقاد کے شیطانی منصوبے کو خاک میں ملاتے ہوئے دنیا کو یہ باور کرائیں کہ بلوچ سرزمین پر امن، خوشحالی، جمہوریت اور آئین و قانون کی بالادستی کا خواب بلوچ قوم کے گلے سے طوقِ غلامی کے اترنے اور بلوچ وطن کی آزادی کے بعد ہی شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

NO VOTE NO ELECTION..... LIBERATION LIBERATION

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

آئینہِ حقائق

چیدہ چیدہ حالات، واقعات اور خبروں پر آزاد کا ماہانہ تجزیہ

قائم خان بلوچ

بلوچ سرزمین پر دیگر مہینوں کی طرح ماہِ ستمبر بھی گزرگیا جس میں اقوام متحدہ کا دورہ بلوچستان دیگر تمام اخبارات پر چھایا رہا۔مگر اس سے پہلے کہ ہم اس بڑی خبر کا جائزہ لیں پہلے دیگر اخبارات پر نظر دوڑاتے ہیں۔

ماہِ ستمبر کے اوائل میں ہی پاکستانی خفیہ اداروں کے دستِ راست اور اپنے شیطانی چہرے پر قوم پرستی کا جھوٹا نقاب چڑھایا ہوا حاصل خان نے بلوچ مسلح تنظیموں اور آزادی پسند سیاسی جہدکاروں کے خلاف ہرزہ سرائی کرکے اپنے پارلیمانی الیکشن کے انعقاد کے خواب کے چکنا چور ہونے کا غم غلط کیا۔غداری میں تاریخ رقم کرنے والے حاصل خان نے وش نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے زبان درازی کی کہ بی ایل اے، بی آر اے، اور بی ایل ایف جیسی تنظیمیں طاقت کے نشے میں ہیں،ان کو الف، ب بھی نہیں آتا۔اگر مجھے آزادی مانگنا ہوتو پہلے الیکشن لڑکر اسمبلی میں جاؤں گا بعد میں آزادی کی مانگ کروں گا۔

یہ بات نئی نہیں کہ حاصل خان آزادی پسندوں کے خلاف زبان درازی کر

آرہے ہیں مگر حالیہ دور میں جوں جوں پاکستان کے پارلیمانی انتخابات قریب آتے جارہے ہیں، پاکستانی گماشتے اپنی وفاداری ثابت کرنے اور اپنے آقا کے سامنے اپنی قیمت بڑھانے کیلئے آزادی پسندوں کے خلاف ہرزہ سرائی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں کچھ زیادہ ہی جست لگارہے ہیں۔حاصل خان کبھی بلوچ سرمچاروں کو جرائم پیشہ افراد،کبھی ان پڑھ تو کبھی نہ جانے کن القابات سے نوازتے رہتے ہیں مگر شاید خود یہ بھول جاتے ہیں کہ انکی اپنی پارٹی خود حاصل خان سمیت سیاسی نظریے سے عاری خودغرض، مفاد پرست، بھتہ مافیا اور امام بھیل جیسے عالمی ڈرگ مافیا پر مشتمل ہے۔حاصل ذرا یہ غور کریں کہ اسکا اور اسکے والد غوث بخش بزنجو کا سیاسی رفیق امام بھیل جیسا عالمی مجرم ہے تو ایسے میں کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ حاصل خان اور اسکی پارٹی کی حقیقت اور سیاست کیا ہے۔اور یہ بات کسی اور نے نہیں بلکہ خود

حاصل خان کی اپنی پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر مالک نے امام بھیل کی نیشنل پارٹی میں شمولیت کے موقع پر کہی تھی کہ جرائم کی دنیا کا شہنشاہ امام بھیل غوث بخش بزنجو کے دیرینہ سیاسی رفیق ہیں۔

جناب حاصل خان! آپکی پارٹی کی حقیقت تو یہ ہے مگر بلوچ سرمچاروں کی فکری، نظریاتی اور سیاسی شعور و تعلیم سے لیس ہونے کی گواہی متعدد بین الاقوامی اداروں کے اہلکاروں سمیت اقوام متحدہ کے اہلکار جان سولیکی بھی دے چکے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ جن لوگوں نے مجھے اغواء کیا تھا میں انہیں کوئی جرائم پیشہ عناصر سمجھ رہا تھا مگر ان کے پاس ٹھرکر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ یہ کوئی عام لوگ نہیں بلکہ سیاسی و علمی شعور سے لیس پختہ اور تجربہ کار سیاسی لوگ ہیں جنہیں مارکسزم سمیت دیگر سیاسی امور پر عبور حاصل ہے۔مگر حاصل خان نے تو اپنے ٹی وی انٹرویو کے دوران ہی یہ کہہ کر اپنی ناپختگی ثابت کردی کہ اگر مجھے آزادی مانگنا ہوتو میں الیکشن لڑکر پارلیمنٹ میں جاکر آزادی حاصل کروں گا۔

• تے جب ٹی وی اینکر نے پوچھا کہ آپ پندرہ سیٹوں سے آزادی حاصل کریں گے ۔۔۔؟ تو حواس باختہ ہوکر کہا۔۔پاگل ہوگئے ہو؟ بلوچستان کی پندرہ سیٹیں ہیں۔۔؟۔اب دیکھنے والوں نے حاصل خان کی سیاسی پختگی کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ حاصل خان جس پارلیمنٹ وجس ملک کی آئین کے مطابق آزادی لینے کی بات کررہے ہیں، اس ملک کی پارلیمنٹ سمیت دیگر کرتا دھرتاؤں نے بنگالیوں کو اسمبلی کی اکثریتی نشستوں کے مالک ہونے کے باوجود وزارت عظمٰی کی سیٹھ تک دینا گوارہ نہیں کیا اور بنگالیوں نے مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی لی تو حاصل خان کے پاس نہ جانے کونسی جادو کی چھڑی ہے کہ وہ پندرہ یا سترہ سیٹوں کے ساتھ آزادی لیں گے۔اگر دیکھا جائے تو کسی ملک کا پارلیمنٹ وآئین اسکی سلامتی کی ضامن ہوتے ہیں۔تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی محکوم ومقبوض قوم نے قابض ملک کی پارلیمنٹ کے ذریعے آزادی حاصل کی ہو۔خیر حاصل خان کوان باتوں سے کیا کام۔انکا مقصد تو صرف اور

صرف اپنے آقا کی خوشنودی اور اپنی وفاداری ثابت کر کے اپنے دام میں اضافہ کرنا ہے جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے رہے ہیں۔

دوسری جانب حاصل خان اور اسکی پارٹی کی حقیقت بی ایس او (آزاد) کے ترجمان نے یہ انکشاف کر کے واضح کردی کہ نیشنل پارٹی اور اسکی دم چلہ اسٹوڈنٹ ونگ پیچار نے الیکشن کے انعقاد سے قبل بی ایس او (آزاد) اور بی این ایم سمیت تمام آزادی پسند رہنماؤں اور سیاسی کارکنوں کے خاتمے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ترجمان کے مطابق گزشتہ دو متواتر اجلاسوں میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ بی ایس او (آزاد) کے رہنماؤں اور کارکنوں کی نشاندہی پیچار کے کارکن جبکہ بی این ایم کے رہنماؤں اور کارکنوں کی نشاندہی نیشنل پارٹی کے کارکن کریں گے جسکے بعد انہیں یا تو ڈیتھ اسکواڈز کے ذریعے ٹارگٹ کیا جائے گا یا پھر اپنے آقاؤں (پاکستانی خفیہ اداروں) کے ذریعے انہیں اغواء وشہید کروایا جائے گا۔ یہ ہوگئی نام نہاد قوم پرستی کے دعویداروں کا شیطانی روپ۔

ایک اور پارلیمانی مداری اور بی این پی عوامی کے سیکریٹری جنرل اسد بلوچ کا مذاق کا بھی ذرا ملاحظہ فرمائیں۔اسد بلوچ نے فرمایا کہ پاکستان بلوچوں کے لیئے نہیں بنا۔عالمی طاقتیں مداخلت کریں۔پہاڑوں پر چڑھنے والے بلوچوں کی جدوجہد کو سراہتا ہوں۔پارلیمنٹ مورچہ ہے۔ووٹ کم پڑے تو پہاڑوں پر جاؤں گا۔

بہت خوب جناب! اگر پاکستان بلوچوں کیلئے نہیں بنا تو آپ اسی پاکستان کی پارلیمانی حکومت اور پارلیمنٹ کا حصہ کیوں ہیں۔کیوں آپ اور آپکی پارٹی کے لیڈر اسی پاکستانی آئین کا حلف اٹھا کر پاکستان سے اپنی وفاداری نبھانے کا سوگند کھاتے ہیں۔آپ ہی کے پارٹی کے ایک سینیئر رہنما اور صوبائی وزیر تربت میں آئی ایس آئی کے موجودہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں اور بلوچ نوجوانوں کی اغواء وشہادت اور متعدد فوجی کاروائیوں میں براہِ راست ملوث ہیں جسے پہاڑوں پر جدوجہد کرنے والوں کی جانب سے دھمکیاں بھی مل چکی ہیں۔آپکی پارٹی کے سربراہ پہاڑوں پر جدوجہد کرنے والوں کی جدوجہد کی توہین کرتے ہوئے انہیں نوکریاں نہ ملنے کی وجہ سے بھٹکے ہوئے نوجوان قرار دیتے ہیں۔نواب اکبر خان بگٹی کی شہادت میں ملوث ہونے کے باوجود اپنے آپکو بری الذمہ قرار دینے سے لے کر غلام محمد اور ساتھیوں کی شہادت کے بعد پاکستانی اسمبلیوں سے استعفیٰ دینے کا ڈھونگ رچانے تک بی این پی عوامی کا کردار بھی سب کے سامنے واضح ہے۔کبھی بی این پی عوامی کے سربراہ کہتے ہیں کہ اگر میں جعلی ڈگری کیس میں نااہل قرار دیا گیا تو میں پہاڑوں پر چلا جاؤں گا تو کبھی اسکے سیکریٹری جنرل کہتے ہیں کہ اگر مجھے ووٹ کم پڑ گئے تو میں پہاڑوں پر چڑھ جاؤں گا۔ایسا کہہ کر دراصل وہ پہاڑوں پر لڑنے والوں کی توہین کرنا چاہتے ہیں کہ پہاڑوں پر جدوجہد کرنے والے قوم یا سرزمین کیلئے نہیں بلکہ نوکری اور مراعات نہ ملنے پر پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں۔مگر قوم اچھی طرح واقف ہے کہ پارلیمانی مداریوں کی ان ہرزہ سرائیوں کا مقصد دراصل اپنے آقا سے اپنی وفاداری ثابت کرنے دوڑ میں سبقت لے جا کر زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنا ہے۔

اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگی کی آمد کی خبر کی جونہی بازگشت سنائی دی، اپنے تمام جرائم کا پردہ فاش ہونے کے ڈر سے پاکستانی کارندوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ پاکستانی سینٹ میں بحث کے دوران اراکین سینٹ نے کہا کہ اقوام متحدہ کے امن مشن کی آمد خطرناک ہے بلوچستان میں امن فوج بھی آسکتی ہے۔ پاکستانی چیف جسٹس نے رونا روتے ہوئے کہا کہ لاپتہ افراد کا معاملہ سنگین ہے، اقوام متحدہ کے آنے پر ملک کی بدنامی ہوگی۔ بلوچستان میں لوگوں کا لاپتہ ہونا ایک حقیقت ہے۔معاملہ عالمی صورت اختیار کر گیا ہے، انسانی حقوق والے آگئے تو ہم سب کی بدنامی ہوگی۔ پاکستانی قومی اسمبلی کے اراکین نے اقوام متحدہ کے دورے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکمران اقوام متحدہ کو بلوچستان کے بارے میں جاننے کیلئے دورے کی دعوت دے کر ملک توڑنے کی سازش کررہے ہیں۔

گوکہ پاکستان کے کرتا دھرتاؤں نے یہ تسلیم کرلیا کہ بلوچستان میں انکے کیئے گئے جرائم اور بلوچ آزادی پسندوں اور پاکستان کے درمیان جنگ کی شدت اتنی زیادہ ہے کہ اگر اقوام متحدہ کو اس سچائی کا پتہ چل گیا تو یقیناً وہ امن فوج بھیجنے سے گریز نہیں کرے گا۔جسکے بعد بلوچ قومی مسئلے کو بلوچ قوم کی امنگوں اور تاریخی حقائق کی روشنی میں حل کرنا ناگزیر ہوجائے گا۔ جو پاکستان کسی صورت بھی نہیں چاہتا۔ پاکستانی چیف جسٹس سمیت دیگر کارندوں کو یہ خدشہ بھی لاحق ہے کہ اگر اقوام متحدہ کو پاکستان کے جرائم کی بھنک پڑ گئی تو اس سے

عالمی سطح پر پاکستان بدنام ہوگا اور بلوچ قومی نجات کیلئے اقوام متحدہ اور اسکا امن مشن مداخلت کرسکتا ہے۔ کیونکہ 1948 میں عرب، اسرائیل جنگ کے دوران امن مشن بھیجنے سے لے کر آج تک اب تک اقوام متحدہ دنیا کے 63 ممالک میں وہاں کے مخدوش حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا امن مشن بھیج چکا ہے۔ یہی خوف پاکستانی کارندوں کو کھائے جارہی ہے کہ کہیں اقوام متحدہ اور عالمی برادری پاکستان کی جانب سے بلوچستان میں کیئے گئے جرائم کو مدنظر رکھتے ہوئے امن مشن نہ بھیجیں جو پاکستان کے وجود کے خاتمے کا پیغام لائے۔

10 ستمبر 2012 کو پاکستان کا دورہ کرنے والا اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ برائے جبری گمشدگی 15 ستمبر 2012 کو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ پہنچا۔ اس موقع پر بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی جانب سے ایک احتجاجی ریلی نکالی گئی اور بی ایچ آر او کے کارکنوں سمیت لاپتہ افراد کے لواحقین نے اپنے پیاروں کی گمشدگی کی اطلاع ورکنگ گروپ کو دینے کیلئے شام تک سرینا ہوٹل کے سامنے دھرنا دیا اور وفد سے ملاقاتیں کیں۔ وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے وائس چیئر مین ماما قدیر بلوچ کے مطابق اقوام متحدہ کے وفد نے بلوچستان میں جبری گمشدگیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انکے پاس صرف لاپتہ افراد کے متعلق معلومات اکھٹا کرنے کا مینڈیٹ ہے۔ آنے والے وقتوں میں اقوام متحدہ کا 25 رکنی وفد بلوچستان بھیجنے کی سفارش کی جائے گی۔ اس دوران آزادی پسند سیاسی تنظیموں بی ایس او (آزاد)، بی این ایم، بی آر پی اور بی این وی کے رہنماؤں نے بھی وفد سے ملاقاتیں کرکے بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں اور بلوچستان پر پاکستان کے ناجائز قبضے کے حوالے سے تاریخی دستاویز پیش کیں جنکے اثرات کو زائل کرنے کیلئے پارلیمانی مداری بی این پی مینگل، بی این پی عوامی اور جمہوری وطن پارٹی نے وفد سے ملاقات میں بلوچ قومی مسئلے کو گھٹا کر لاپتہ افراد تک محدود کرنے کی کوشش کی۔ 20 ستمبر کو اقوام متحدہ کے وفد کے سربراہ نے اسلام آباد میں ایک پریس کانفرس کے ذریعے ابتدائی رپورٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان سے 14 ہزار افراد کے لاپتہ ہونے کی اطلاع ملی اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی کھل کر واضح کردی کہ لوگوں کو لاپتہ کرنے میں مبینہ طور پر پاکستانی فوج، ایف سی اور خفیہ ادارے ملوث ہیں۔ وفد کے سربراہ نے اپنے مینڈیٹ کے بارے میں بھی بتاتے ہوئے کہا کہ انکا مینڈیٹ صرف لاپتہ افراد کے متعلق شواہد اکھٹی کرنے تک محدود ہے۔ اب ہمارے بعض دانشور و لکھاری رائے زنی کررہے ہیں کہ محدود مینڈیٹ کے حامل اقوام متحدہ کے وفد سے امید رکھنا بے کار ہے۔ مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو 1980 میں اپنے قیام سے لے کر آج تک اس ورکنگ گروپ نے بوسنیا سمیت دنیا کے دیگر خطوں میں جہاں انسانی حقوق کی پامالیاں اور جبری گمشدگیاں ہورہی تھیں، معلومات اکھٹی کیں جو بعد میں ان خطوں میں اقوام متحدہ کے مداخلت کا باعث بنیں۔ اقوام متحدہ کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق اس گروپ کا مینڈیٹ ہی اتنا ہے کہ وہ جبری گمشدگیوں کے متعلق معلومات اکھٹی کرکے متعلقہ ریاست اور اقوام متحدہ کو اپنی سفارشات پیش کرے۔ پھر انہی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کسی خطے میں انسانی حقوق کی پامالیوں کو روکھنے کیلئے مداخلت کرنے، نہ کرنے یا مزید تحقیقات کرنے کا فیصلہ کرے گی۔ اور جیسا کہ گروپ کے بیانات سے اس بات کا اعادہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک اقوام متحدہ کا 25 رُکنی وفد بلوچستان بھیجنے کی سفارش اور دوئم بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں میں پاکستانی سیکیورٹی اداروں کو براہِ راست مورود الزام ٹھرانا۔ وفد نے اس بات کا عندیہ بھی دیا کہ تفصیلی رپورٹ اقوام متحدہ کے آئندہ اجلاس میں پیش کی جائے گی۔ مذکورہ بالا اشاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگرچہ ورکنگ گروپ کا مینڈیٹ محدود تھا مگر وفد کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ میں بلوچ قومی مسئلہ خاص طور پر انسانی حقوق کی پامالیاں زیرِ بحث آسکتی ہیں۔ جو ایک حوصلہ افزاء امر ہوگا۔

وہ لوگ جو پاکستان کی پارلیمنٹ کا حصہ ہیں یا بننا چاہتے ہیں۔ پاکستانی پنجابی نظام کی بات کرتے ہیں۔ بلوچ کی غلامی کو مظبوط کررہے ہیں۔ جو پنجابی پارلیمنٹ کی خاطر بلوچ کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو وہ ہماری تحریک کا دوست نہیں بلکہ پنجابی کی طرح آزادی کا دشمن ہے۔۔

﴿﴿﴿شھید غلام محمد بلوچ﴾﴾﴾

ماہِ ستمبر میں بی ایس او (آزاد) اور بی این ایف کے اخباری بیانات

ادارہ

قبضہ گیریت کیخلاف بلوچ جدوجہد نے ریاستی پالیسیوں کو پسپا کردیا، بی ایس او آزاد

کوئٹہ (پ ر) بی ایس او آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنی جاری کردہ بیان میں کہا کہ خضدار میں بلوچ فرزندوں کی شہادت ریاست کی جارحانہ پالیسیوں کی تسلسل ہے بلوچستان میں ریاستی بربریت مکمل طور پر ناکام ہوچکی ہے اور قبضہ گیریت کیخلاف بلوچ عوام کی جدوجہد نے ریاستی پالیسیوں کو پسپا کردیا ہے جس سے اب ریاستی فورسز نے اپنی پالیسیوں میں مزید جارحیت لاتے ہوئے بلوچ نسل کشی کو مزید تیز کردیا ہے اسی تسلسل میں گذشتہ روز خضدار میں بلوچ سیاسی کارکنوں ثناءاللہ بلوچ، ریاض بلوچ، اشرف بلوچ کو شہید کیا گیا ہے۔ ترجمان نے مزید کہا کہ تربت میں بلوچ فرزند عمر بلوچ نے جام شہادت نوش کر کے بلوچ قومی روایات کو زندہ رکھا ہے قبضہ گیریت کیخلاف قومی آزادی کے جہدکاروں کی کامیاب حکمت عملیوں اور عوامی حمایت سے ریاستی فورسز بوکھلاہٹ کا شکار ہے اور انہیں اپنی شکست واضح طور پر نظر آرہی ہے جبکہ آئندہ آنے والے الیکشن کے ناکامی کو پہلے سے دیکھتے ہوئے ریاستی فورسز اور اس کے گماشتیں نیشنل پارٹی، بی این پی مینگل، بی این پی عوامی پہلے سے جاری ظلم و بربریت کو مزید تیز کررہے ہیں تاکہ وہ قومی تحریک آزادی کے عوامی آواز کو دبا کر پاکستان کیلئے رائے عموار کرسکیں اور بلوچستان پر قبضہ گیر کی پالیسیاں اسی تسلسل سے جاری رہیں۔

لندن (پ ر) بی ایس او (آزاد) کے مرکزی ترجمان کے مطابق بی ایس او آزاد کی مرکزی لیڈرشپ کی جانب سے ورکنگ گروپ آن Enforced and Involuntary Disappearances کو ایک خط بھیجا گیا بی ایس او آزاد نے یہ خط بذریعہ فیکس، ای میل اور ڈاک جینیوا سوئٹزرلینڈ ارسال کیا خط میں بی ایس او آزاد کی مرکزی لیڈرشپ کے جانب سے گروپ کا بلوچستان میں اپنا مشن بھیجنے پر شکریہ ادا کیا گیا تنظیم کی طرف سے بین الاقوامی ادارے کو خط میں لکھا گیا کہ بی ایس او آزاد نے گمشدگی کے اس مسئلے کو انتہائی سنجیدگی سے لیتے ہوئے بین الاقوامی توجہ اس جانب مبذول کروانے کیلئے احتجاج کے تمام ذرائع اپناتے ہوئے بھوک ہڑتالی کیمپ لگائے، پریس کانفرنس کیئے، سیمینارز کا انعقاد کیا اور اس گھمبیر مسئلے پر بذریعہ اخباری بیانات اور آرٹیکلز معلومات پھیلانے کی کوشش کی خط میں ورکنگ گروپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا کہ ہم آپکے نوٹس میں انتہائی ضروری چیزیں لانا چاہتے ہیں جو آپکے مشن میں آپکے لئے اور آپکی تنظیم کی رہنمائی میں معاون ثابت ہونگی جناب! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بلوچستان میں گمشدگی کا مسئلہ انتہائی گھمبیر شکل اختیار کر چکا ہے اور گمشدگیوں کا سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری و ساری ہے آخری گمشدگی کا واقعہ 17 اگست 2012 کو رونما ہوا تھا جس میں صمد بلال، رازق پلیری، جلیل مراد اور رمضان یعقوب کو اغوا کیا گیا 26 اگست 2012 کو صمد بلال کی مسخ شدہ لاش برآمد ہوئی جبکہ 8 ستمبر کو رمضان یعقوب کو بیدردی سے قتل کر کے پھینک دیا گیا گمشدہ افراد کے لواحقین وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز کے رپورٹس اور انتہائی مصدقہ ذرائع کے مطابق 2001 سے لیکر اب تک 14000 بلوچ سیاسی کارکن گمشدہ ہیں جو کہ قابض کی خفیہ حراست میں اذیت ناک مراحل سے گزر رہے ہیں ان میں سے 500 سے زائد کو ماورائے قانون شہید کرتے ہوئے انکی لاشیں ویرانوں اور جنگلوں میں پھینک دی گئی ہیں گمشدہ افراد جنکی لاشیں ملیں سب کے سب سیاسی کارکن، صحافی، آرٹسٹ، قلمکار، دانشور، طالبعلم، ڈاکٹرز اور اساتذہ تھے جن میں جلیل ریکی، سنگت ثنا، محبوب واڈیلہ، رحمان عارف، حمید شاہین، حمید جمال، یونس بلوچ، غفار لانگو اور بی ایس او آزاد کے مرکزی لیڈران قمبر چاکر، شفیع بلوچ اور کامریڈ قیوم بلوچ شامل ہیں اسکے علاوہ بی ایس او آزاد کے مرکزی لیڈر ذاکر مجید اور بی این ایم کے لیڈران ڈاکٹر دین محمد اور غفور بلوچ سمیت ہزاروں بلوچ ابھی تک قابض کے عقوبت خانوں میں قید ہیں خط میں مزید کہا گیا کہ ابتک گمشدہ افراد کی بازیابی میں کوئی بھی پیش رفت نہیں ہوئی ہے 2011 میں پاکستانی سپریم کورٹ نے مسئلے کا نوٹس لیا لیکن بار بار کی سماعتوں کے باوجود نہ صرف ایک بھی گمشدہ فرد نہیں ہوا ہے بلکہ اس گمشدگی میں مزید شدت لائی گئی ہے سپریم کورٹ کی سماعت محض وقت کا ضیاع اور میڈیا کا شوشہ ہے لگتا ہے کہ سپریم کورٹ بھی قبضہ گیر کی ایما پر گمشدہ افراد کے لواحقین کو تسلی دے رہی ہے یا پھر سپریم کورٹ خود ان بااثر اداروں کے سامنے بے بس ہے دونوں صورتوں میں لاپتہ افراد کے مسئلے میں بہتری کی کوئی امید نہیں ہے سپریم کورٹ لاپتہ افراد کی بازیابی میں وارننگ کی حد تک محدود ہے حالانکہ کورٹ نے ایف سی کو مدت دی تھی کہ وہ اتنے دنوں میں لاپتہ افراد کو پیش کرے لیکن خفیہ ایجنسیاں اور ایف سی کورٹ کے وارننگ کی کوئی پرواہ کیئے بغیر مزید افراد کو اغوا کر کے مسخ شدہ لاشیں پھینکتے رہے جسطرح انڈونیشیا میں مشرقی تیمور کے مسئلے پر کورٹ کے فیصلوں کو رد کرتے ہوئے مشرقی تیمور کے لوگوں کو گمشدہ کر کے قتل کیا جاتا رہا بلوچستان میں بھی یہی صورتحال ہے جسطرح مشرقی تیمور میں قابض کی ایجنسیاں بے لگام تھیں اسی طرح بلوچستاں میں بھی خفیہ اداروں کی جانب سے ظلم کی ہولی کھیلی جارہی ہے اس بارے میں پولیس نے ان گمشدگیوں میں خفیہ ایجنسیوں اور ایف سی کے ملوث ہونے کے ثبوت ایک ویڈیو فوٹیج کی شکل میں سپریم کورٹ میں پیش کی ہیں لیکن قابض کی فوج اور ایجنسیوں نے کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر بلوچستان میں ننگی جارحیت جاری رکھی ہوئی ہے جبکہ پاکستان کی مرکزی حکومت بھی مسئلے پر بار بار اپنے بیانات تبدیل کرتی چلی آرہی ہے مشرف دور کے وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ نے بلوچستان میں صحافیوں سے بات چیت میں اس بات کا اقرار کیا تھا

کہ پاکستانی ایجنسیوں کی تحویل میں 4000 بلوچ ہیں لیکن موجودہ حکومت ان چار ہزار کو صرف 32 افراد کی گمشدگی ظاہر کرتی ہے اور ان افراد کے بارے میں بھی یہ کہتی ہے کہ وہ پاکستانی فورسز کے پاس نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں 14000 سے زائد افراد پاکستانی عقوبت خانوں میں قید ہر روز موت کا سامنہ کر رہے ہیں لیکن پاکستانی حکومت انتہائی مجرمانہ انداز میں اس معاملے پر انکاری ہے عالمی برادری کی آنکھوں میں دھول جونکنے کیلئے پاکستانی حکومت نے متعدد اجلاس منعقد کیئے اور کئی کمیٹیاں بھی تشکیل دیں لیکن کوئی بھی کمیٹی آج اپنی رپورٹ پیش نہیں کر سکی ہے کیونکہ بلوچستان ایک چھاونی کی شکل اختیار کر چکا ہے جہاں تمام فیصلے فوج اور ایجنسیوں کے ہاتھ میں ہیں اگر یہاں فوج اور اسکے حواریوں کی ننگی جارحیت کے خلاف کوئی آواز اٹھائے تو اسے نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے دوسری جانب انسانی حقوق کے عالمی اداروں کا کردار ماسوائے سالانہ رپورٹوں کے کچھ نہیں ہے بلوچستان میں کوئی بھی مانیٹرنگ میکینزم نہیں ہے اور آج تک موجودہ حالات کو کسی نے مانیٹر نہیں کیا اسکے علاوہ انسانی حقوق کے اداروں کی جانب سے گمشدہ افراد کے لواحقین کو کوئی بھی قانونی مدد حاصل نہیں ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ ایک انسانی حقوق کے ادارے آیچ ارسی پی نے 2011 میں جو اعداد مسنگ پرسنز کے بارے میں شائع کیئے تھے انہیں بھی وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز نے رد کر دیا تھا اس صورتحال میں آئے روز بلوچستان میں طلباء، اساتذہ، وکلاء، صحافی، ڈاکٹرز، سیاسی کارکن اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد پاکستانی ایجنسیوں کے ہاتھوں اغوا اور قتل ہوتے آرہے ہیں اسلیئے بی ایس او اور بلوچ قوم کو پاکستانی عدلیہ، پارلیمنٹ اور دیگر اداروں سے کوئی بھی امید نہیں۔ بلوچ قوم اقوام متحدہ کی ٹیم پر بھروسہ کرتے ہوئے امید کرتی ہے کہ جسطرح آپکی تنظیم نے مشرقی تیمور اور کوسوو کے مسئلے پر ایکشن لیا ایسا ہی بلوچستان میں بھی کیا جائے گا اور بلوچ سیاسی کارکنوں اور دیگر شعبوں سے وابستہ افراد سمیت پوری بلوچ قوم کو قابض کی ننگی جارحیت سے نجات دلانے میں اپنا کردار ادا کریگی۔ بی ایس او آزاد امید کرتی ہے کہ اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ بلوچستان کے عوام اور بالخصوص گمشدہ افراد کے لواحقین سے ملاقات کر کے حقائق کا پتہ لگائے گا آخر میں گروپ سے ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ وہ بلوچستان میں گمشدگیوں کے مسئلے پر ایک مانیٹرنگ باڈی قائم کر کے باقاعدگی سے اس مسئلے پر اپنے رپورٹس شائع کرے اور مسئلے پر ایک فالواپ میکانزم بھی بنائی جائے تاکہ اس مشن کے جانے بعد بھی اقوام متحدہ اس مسئلے سے باخبر ہوتا رہے۔

اقوام متحدہ کو حقائق سے دور رکھنے کیلئے اسکی راہ میں روڑے اٹکانا شروع کر دیئے گئے ہیں۔

بی ایس او (آزاد)

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ اقوام متحدہ کے وفد کو بلوچستان میں حقائق جاننے سے روکنے کیلئے پاکستان نے اسکی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے ہیں پاکستانی کارندوں کے آئے روز کے بیانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ بلوچستان میں حقائق جاننے کیلئے اپنی مرضی سے آئی ہے نہ کہ پاکستانی حکمرانوں کی خواہش پر جس سے پاکستان خوفزدہ ہے کہ اقوام متحدہ کو حقیقت معلوم ہونے پر پاکستان کے وجود کو خطرات لاحق ہوں گے۔ گزشتہ دنوں پاکستان کے سیکریٹری خارجہ نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ ''اقوام متحدہ کے وفد کو تفتیش کی اجازت نہیں یہ ہماری خواہش پر آئی ہے، دورے کے اختتام پر رپورٹ دے کر چلا جائے گا'' لیکن اسی روز اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کا بھی ایک بیان سامنے آیا تھا کہ وہ تفتیش کر کے حقائق جاننے کی کوشش کرے گی۔ پاکستانی چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے وفد سے ملاقات سے انکار کر کے یہ بیان دیا کہ ''لاپتہ افراد کا معاملہ سپریم کورٹ میں ہے، وفد کا دورہ پاکستان کی خودمختاری کے خلاف ہے'' پاکستانی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے اقوام متحدہ کے وفد سے ملنے سے انکار کر کے اپنا چہرہ دنیا کے سامنے عیاں کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ گزشتہ کئی مہینوں سے لاپتہ بلوچ فرزندوں کے نام پر نام نہاد سماعتوں کا ڈھونگ رچا کر بلوچ اسیران سے جو جھوٹی ہمدردی دکھا رہا تھا اس سے اسکا مقصد قطعاً انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو روکنا نہیں تھا بلکہ اس سے وہ صرف عالمی برادری کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتا تھا اب جبکہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کا وفد حقائق کا پتہ چلانے کیلئے آئی ہے تو چیف جسٹس بھی دیگر پاکستانی کارندوں کی طرح پاکستان کے وجود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے اسی لیئے اس نے وفد سے ملاقات سے انکار کر کے سچائی بتانے سے انکار کیا ہے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ اقوام متحدہ کو حقائق کا پتہ چل جانے کے خوف سے گھبرا کر اسے بلوچستان کا دورہ کرنے سے روکنے کیلئے پاکستانی کارندے بیرسٹر ظفر اللہ کے ذریعے سپریم کورٹ میں دائر کردہ درخواست میں اور اور جنونی ملاؤں پر مشتمل دفاع پاکستان کونسل کے ذریعے لانگ مارچ کا اعلان کر کے خود اقوام متحدہ کے وفد کے دورہ بلوچستان کو اقوام متحدہ کے چارٹر کے منافی قرار دے رہے ہیں دوسری جانب پاکستانی وزیر داخلہ رحمان ملک نے اپنے اس بیان کہ ''اقوام متحدہ کے وفد کو تحقیقات کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، یہ وفد ہر اس جگہ جاتا ہے جہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہو'' میں خود اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تفتیش کرنے آئی ہے اسی لیئے پاکستان اپنے جرائم کا پردہ فاش ہونے کے ڈر سے وفد کو تحقیقات سے روکنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے آزما رہا ہے پاکستانی کارندوں کے مذکورہ بالا بیانات اور اسکے پورے ریاستی ڈھانچے میں ہلچل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اقوام متحدہ کا وفد پاکستان کی ایماء و خواہش پر نہیں بلکہ بلوچ شہداء، اسیران اور آزادی پسند جہدکاروں کی لازوال اور انگنت قربانیوں کی بدولت بلوچستان میں اصل حقائق جاننے کیلئے آئی ہے اسی لیئے پاکستانی سینٹ نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ بلوچستان کی جنگ زدہ اور مخدوش صورتحال کو دیکھ کر اقوام متحدہ بلوچستان میں امن فوج بھی بھیج سکتی ہے جس سے پاکستان کے وجود کو خطرات لاحق ہوں گے ترجمان نے مزید کہا کہ ہم اقوام متحدہ سے پرامید ہیں کہ وہ اپنے دورہ بلوچستان میں بلوچ شہداء و اسیران اور آزادی پسند جہدکاروں سے ملاقات کر کے اصل حقائق کا پتہ لگا کر بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر نوٹس لیتے ہوئے بلوچ قوم کو محکومی سے نجات دلانے میں اپنا کردار ادا کرے گی۔

بلوچستان مسئلے کا حل قومی ریاست کی بحالی ہے، اقوام متحدہ مداخلت کرے، بی ایس او آزاد وفد کا یو این ٹیم سے ملاقات

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے ایک وفد نے اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ سے ملاقات کیا وفد نے ورکنگ گروپ سے تفصیلاً بات کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان میں اصل مسئلہ بلوچ قومی ریاست پر پاکستان کا قبضہ ہے جس کا واحد حل بلوچ قومی ریاست کی بحالی ہے اقوام متحدہ بلوچستان میں فوری مداخلت کر کے امن کمیشن تشکیل دے اور بلوچستان میں کوسوؤ کی طرح اقوام متحدہ کی امن فورس تعینات کرے ملاقات کے دوران ورکنگ گروپ سے بلوچستان میں پاکستان کی عالمی قوانیں کی پامالیوں پر تفصیلاً بات ہوئی اور گروپ کو بی ایس او آزاد کی جانب سے پاکستان کی عالمی قوانین کی خلاف ورزیوں پر شوائد پر مبنی مختلف ویڈیو رپورٹ بھی پیش کی گئی ورکنگ گروپ سے بات کرتے ہوئے وفد نے کہا کہ بلوچ قوم اپنی آزاد ریاست کی بحالی چاہتی ہے اسی وجہ سے پاکستان کی خفیہ ادارے اور فورسز عام بلوچوں کو جبری اغوا کر رہے ہیں اور ان کی مسخ شدہ لاشیں پھینک رہے ہیں وفد نے کہا کہ اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ کے پاس لاپتہ افراد کے مسئلہ پر مینڈیٹ ہے لیکن لاپتہ افراد کا مسئلہ بلوچستان میں پاکستانی قبضہ سے برائے راست منسلک ہے اور اقوام متحدہ سمیت کوئی بھی ادارہ اس حوالے سے تب تک پیش رفت نہیں کرسکتا جب تک پاکستان کی بلوچستان پر قبضہ ختم نہیں کیا جاتا اور بلوچ قومی ریاست بحال نہیں کی جاتی اس حوالے سے اقوام متحدہ بلوچستان میں فوراً امن کمیشن تشکیل دے اور کوسوؤ کی طرح بلوچستان میں بھی اقوام متحدہ کی امن فورس تعینات کرے تا کہ پاکستان کے قبضہ گیر فورسز بلوچستان میں مزید نسل کشی نہ کرسکیں اور عام بلوچوں کے اغواہ کا سلسلہ بند ہو بلوچستان میں اب تک 14000 سے زائد لوگوں کو اغواہ کیا گیا ہے جبکہ پاکستانی فورسز بلوچ علاقوں میں کاروائیاں کر رہے ہیں جس سے بلوچ قوم کی یک بڑی آبادی اپنے ہی سرزمیں سے نقل مکانی پر مجبور ہو چکی ہے جن کا قصور صرف یہی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور اپنی آزاد ریاست کی بحالی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ نے وفد سے بات کرتے ہوئے یقین دلایا کہ ورکنگ گروپ کا مقصد بلوچستان میں حالیہ سنگین صورتحال کے متعلق درست معلومات حاصل کرنا ہے اور ہم اپنے مینڈیٹ کو استعمال کرتے ہوئے بلوچستان میں لاپتہ افراد کی بازیابی کو یقینی بنائیں گے لیکن بلوچستان کی صورتحال کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے مستقبل میں مزید پیشرفت ہوگی اور اقوام متحدہ اس حوالے سے اپنی زمہ داریاں پوری کریگا۔

UN بلوچستان صورتحال آگاہی کے بعد پاکستانی اداروں کے بجائے خود عملی اقدامات کرے

بی ایس او آزاد

پاکستانی اداروں اوران کے گماشتوں نے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کو گمراہ کرنے اور پریشر دیکر کارروائی کا رخ موڑنے کی کوشش کی، مرکزی ترجمان

UN بلوچستان صورتحال آگاہی بعد پاکستانی اداروں کے بجائے خود عملی اقدامات کرے بی ایس او آزاد

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کے ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ بلوچستان کی حقیقی صورتحال اور بلوچستانی میں پاکستانی قبضہ گیراداروں کی سفاکانہ کردار سے آگائی کے بعد پاکستانی اداروں سے اقدامات لینے کی اپیل کرنے کے بجائے بلوچستان پر پاکستان کا جبری قبضہ ختم کرنے اور عالمی قوانین کی خلاف ورزیاں روکھنے کیلئے اقوام متحدہ کا مینڈیٹ استعمال کرتے ہوئے عملی اقدامات اٹھائے اقوام متحدہ کے وفد کا بلوچستان کا دورہ اور پریس کانفرنس خوش آئندہ عمل ہے لیکن یہ بات بھی واضح ہوچکی ہے کہ اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ کو آزادانہ کام کرنے نہیں دیا گیا وفد کو درست سمت میں کام کرنے سے روکھنے کیلئے پاکستانی اداروں اوران کے گماشتوں نے اپنی تمام ترحربے آزمائے اور گروپ کو پریشر دے کر کارروائی کا رکھ موڑنے کی کوشش کی گئی پاکستانی جارحیت کے شکار لاپتہ بلوچوں اور شہدا کے اعداد وشمار کے حوالے سے کنفیوژن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ ریاستی اداروں کی گمراہ کن اقدامات کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ وفد سے ریاستی گماشتوں نے بھی اپنے ملاقاتوں میں بلوچ قومی تحریک آزادی کو احساس محرومی اور بلوچستان میں پاکستان قبضہ اور سفاکانہ کاروائیوں کو چند افراد کا مسئلہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کر کے قابض سے وفاداری کا ثبوت پیش کیا لیکن ان تمام کے باوجود اقوام متحدہ کے وفد کی بلوچستان میں موجودگی اور بلوچ قوم کے قومی موقف کی برائے راست شنوائی ایک اہم اور مثبت قدم ہے جس سے اب اقوام متحدہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عملی اقدامات اٹھائے اور لاپتہ افراد کے ساتھ ساتھ بلوچستان کی مکمل صورتحال کو سمجھنے کیلئے بلوچستان کا دورہ کرے اور تمام علاقوں میں جا کر وہاں عام بلوچوں سے بات کرے تاکہ ان کے سامنے پاکستان کی حقیقت اور بلوچستان کے حوالے سے پاکستان کا جھوٹ پرمبنی موقف دنیا کے سامنے آئے اس وقت بھی بلوچستان کے بیشتر علاقے پاکستانی قبضہ گیرفوج کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں جہاں آبادی کو بے گھر کر دیا گیا ہے اور اب جب کہ لاپتہ افراد کے متعلق اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ بلوچستان کے دورے پر تھی تو اس کی کاروائی کو محدود رکھی گئی اور انہیں مکمل طور پر کام کرنے نہیں دیا گیا لیکن بلوچ فرزندوں نے دنیا کے سامنے واضح کردیا ہے کہ بلوچ قوم کی جدوجہد قومی آزادی اور سرزمین کے حفاظت کیلئے ہے اور ریاستی جبروتشدد کا مقصد آزادی پسند بلوچوں کو نشانہ بنانا اور بلوچ قوم کی نوجوانوں اور دانشوروں اور بزرگوں کو شہید کر کے بلوچ قوم کی نسل کشی کو آگے لے جانا ہے جسے کسی بھی طرح چھپایا نہیں جاسکتا اقوام متحدہ مکمل تحقیقات کرنے اور حقائق تک پہنچنے کیلئے برائے راست بلوچستان میں اقدامات اٹھائے اور بلوچستان میں تحقیقاتی ٹیم تشکیل دے کر بلوچستان کا دورہ کر کے مختلف علاقوں میں جا کر برائے راست تحقیقات کرے ترجمان نے مزید کہا کہ وفد کے پریس کانفرنس میں بلوچستان میں پاکستانی اداروں کی عالمی قوانین کی خلاف ورزیوں اور جبری گمشدگیوں پر تشویش کے اظہار پر انسانی حقوق کے عالمی علمبرداروں اور خود اقوام متحدہ کو توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے وفد نے واضح طور پر کہا کہ بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں اور جبری گمشدگیوں میں ریاستی ادارے براہ راست ملوث ہیں اوران کیخلاف کسی قسم کے قانونی کاروائی نہیں ہوتی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بلوچستان میں بلوچ قوم کی نسل کشی اور بلوچ سرزمین پر جبری قبضہ کو برقرار رکھنے کیلئے قابض کے تمام ادارے براہ راست ملوث ہے اور وہ اس نسل کشی کو روکھنے کیلئے دنیا کی کسی بھی اقدامات کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں جو کہ اقوام متحدہ اور عالمی دنیا کے امن کیلئے کی جانے والی کوششوں کو برائے راست چیلنج کرنے کے مترادف ہے وفد کی جانب سے پاکستانی سیکورٹی فورسز اور خفیہ اداروں کے کردار کے حوالے سے شدید تشویش کا اظہار بلوچ قوم اس خدشات کو درست ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان دنیا میں قیام امن کیلئے خطرہ ہے اور پاکستان کو اس طرح کی ہدایاتوں سے نہیں روکھا جاسکتا بلکہ اس حوالے سے اقوام متحدہ کو راست اقدامات اٹھانا چاہیئے اقوادم متحدہ برائے راست مداخلت کرتے ہوئے بلوچستان میں صورتحال کی تحقیقات کیلئے ٹیم تشکیل دے اور مختلف علاقوں میں جا کر دورے کرے تاکہ پاکستان کی جانب سے بلوچ قوم کی موقف کورد کرنے کیلئے جھوٹ پرمبنی جو گمراہ اعداد وشمار پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی حقیقت واضح ہوسکے۔

بی ایس او آزاد

الیکشن انعقاد سے قبل آزادی پسند رہنماؤں کے خاتمے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے

نیشنل پارٹی و اسکی دم چھلہ طلبا ونگ نے اپنے اجلاسوں میں بی ایس او آزاد و بی این ایم کو الیکشن کی راہ میں رکاوٹ قرار دیکر انکی نشاندہی کرنے اور انہیں اغواء و شہید کروانے کا فیصلہ کیا، ترجمان

بی ایس او(آزاد) کے مرکزی ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ بی ایس او(آزاد) کی قومی تحریک کیلئے دی جانے والی قربانیوں، جدو جہد اور بلوچ قوم میں اسکی مقبولیت سے خائف ہوکر قبضہ گیر پاکستان اور اسکے گماشتے بی ایس او(آزاد) کے خلاف نت نئی سازشوں میں مصروف ہیں۔ گزشتہ دنوں پارلیمانی گماشتہ پارٹی نیشنل پارٹی کے اپنی دم چلہ اسٹوڈنٹ ونگ پجار کے ہمراہ دو متواتر اجلاس ہوئے تھے جن میں یہ بات زیر بحث رہی کہ آنے والے انتخابات میں آزادی پسند سیاسی تنظیمیں خاص طور پر بی ایس او(آزاد) اور بی این ایم ہمارے راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اسی لیئے اپنے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے اور الیکشن کی راہ ہموار کرنے کیلئے ہمیں پارلیمانی الیکشن کے انعقاد سے قبل ان کا خاتمہ کرنا ہوگا لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ بی ایس او(آزاد) اور بی این ایم کے لیڈران اور کارکنان کی نشاندہی کرکے انہیں چن چن کر خفیہ اداروں کے ہاتھوں اغواء وشہید کروایا جائے گا یا پھر اپنے اور اپنے آقا کی تشکیل کردہ ڈیتھ اسکواڈز کے ذریعے انکی ٹارگٹ کلنگ شروع کی جائے گی دونوں اجلاسوں میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا بی این ایم کے کارکنان کی نشاندہی نیشنل پارٹی کے کارکن جبکہ بی ایس او(آزاد) کے کارکنان اور لیڈران کی نشاندہی پجار کے کارکن کریں گے پارلیمانی زرخرید پارٹی کے لیڈران نے یہ کہہ کر بھی اپنی انا کو تسکین پہنچانے کی کوشش کی کہ بی ایس او(آزاد) اب صرف چند افراد پر مشتمل ہوکر اخباری بیانات تک محدود رہ گئی ہے اور کونسل سیشن کے انعقاد کے بعد نو منتخب عہدیداروں کے خاتمے سے وہ اپنا وجود مکمل طور پر کھودے گی ترجمان نے کہا کہ ہم بے ضمیر پارلیمانی زرخرید پارٹی اور اسکی دم چلہ اسٹوڈنت ونگ پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بی ایس او(آزاد) اپنے شہید و اسیر ساتھیوں اور کھٹن حالات کی بھٹی میں پک کر کندن بننے والے آہنی عزم کے مالک کارکنوں کی لازوال قربانیوں کی بدولت ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکی ہے جسے مٹانا ان سامراجی دلالوں کے بس کی بات نہیں جب ان قومی غداروں کا آقا پاکستان اپنی تمام تر جبر وتشدد، مظالم اور ریشہ دوانیوں کے باوجود بی ایس او(آزاد) کو تحریک آزادی سے دستبردار نہ کراسکا تو ان سامراجی گماشتوں کی کیا حیثیت کہ وہ اسے مٹاسکیں نیشنل پارٹی کا بی ایس او(آزاد) کو مٹانے کا خواب آج کی نہیں اس سے پہلے بھی مذکورہ پارٹی کے سابقہ ترجمان خضدار میں اور اسکے دیگر لیڈران مکران میں بی ایس او(آزاد) کے کئی سرکردہ کارکنوں کو پاکستانی خفیہ اداروں کے ہاتھوں اغواء وشہید کروا کر اپنے منہ پر کالک مَل چکے ہیں بلوچ قوم میں اپنی حیثیت کھونے کے بعد مذکورہ پارٹی کا اسٹوڈنٹ ونگ پجار اب غنڈہ گردی کے ذریعے ہاسٹلز میں طلباء کے رہائشی کمروں پر زبردستی قبضہ کرکے تعلیمی اداروں میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے اور کرپشن کا بازار گرم کرنے کا خواب دیکھ رہی ہے ترجمان نے مزید کہا کہ نیشنل پارٹی کے کالے کارناموں کے ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہیں جو وقت آنے پر بلوچ قوم کے سامنے لائیں گے۔

بی ایس او آزاد

اختر مینگل پاکستانی اداروں کا معاون بن کر مظالم میں برابر کے شریک ہو گئے

پارلیمانی انتخابات کا اعلان کر کے خود کو بلوچ قوم کے سامنے واضح کر دیا، بلوچ اسیران و شہداء کا خیر خواہ بن کر پارلیمنٹ تک رسائی کیلئے ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں، مرکزی ترجمان

بی ایس او(آزاد) کے مرکزی ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ پاکستانی پارلیمانی پارٹی بی این پی مینگل کے سربراہ اور نام نہاد حق خودارادیت کا دعویدار جناب اختر مینگل ایک طرف یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ انہیں پاکستان کے کسی بھی ادارے پر بھروسہ نہیں مگر دوسری طرف وہ اسی پاکستان کے عدلیہ کا معاون بننے کیلئے لندن سے اسلام آباد تشریف لائے ہیں جو خود اسکے نام نہاد حق خودارادیت اور قوم پرستی کا پول کھولنے کیلئے کافی ہے کبھی حق خودارادیت ،کبھی قوم پرستی اور کبھی کسی ایک نام سے بلوچ قوم کو ورغلانے میں ناکامی کے بعد اب اختر مینگل اپنے آپ کو بلوچ شہداء و اسیران کا خیر خواہ ظاہر کر کے اپنے لیئے پاکستان کے پارلیمنٹ تک رسائی کیلئے ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر بلوچ قوم ان نام نہاد پارلیمانی مداریوں کے ایک ایک کرتب سے واقف ہوچکی اور اب بلوچ قوم کو الفاظ کے ہیر پھیر اور جھوٹی ہمدردیوں سے ورغلانا ان سامراجی گماشتوں کے بس سے باہر ہے کل تک پاکستان کے کسی بھی ادارے پر بھروسہ نہ کرنے اور اقوام متحدہ اور دیگر عالمی طاقتوں سے مداخلت کی اپیل کا شوشہ چھوڑنے والے اختر مینگل نے بلوچ فرزندوں کی حراستی شہادت میں برابر کی شریک پاکستانی سپریم کورٹ کا معاون بن کر اور پاکستان کے پارلیمانی انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر کے اپنے چہرے پر قوم پرستی کا جھوٹا نقاب اتار کر اپنے آپ کو بلوچ قوم کے سامنے واضح کر دیا ہے اختر مینگل بلوچ شہداء واسیران سے ہمدردی کے نام پر پاکستانی سپریم کورٹ کے معاون کے طور پر پیش ہوئے ہیں مگر یہ بات بلوچ قوم سمیت پوری دنیا پر عیاں ہوچکی ہے کہ بلوچستان میں ظلم و جبر میں پاکستان کی فوج ،ایف سی ،خفیہ اداروں اور عدلیہ سمیت پوری پاکستانی مشینری ملوث ہے اور اختر مینگل بھی پاکستانی اداروں کا معاون بن کر ان مظالم میں برابر کے شریک ہوچکے ہیں اختر مینگل کی جانب سے ٹی۔وی پروگرام میں 65 سالوں سے جاری بلوچ تحریک آزادی کو آپریشن اور مسخ شدہ لاشوں کا ردعمل اور شہید اکبر خان بگٹی کی آزادی کیلئے دی جانے والی قربانی کو صوبائی خودمختاری اور ساحل وسائل پر اختیار سے جوڑنا بھی شہید اکبر خان سمیت تمام بلوچ شہداء، اسیران ،قومی جہدکاروں اور بلوچ قومی تحریک کی توہین ہے۔

اقوام متحدہ بلوچستان میں امن فوج تعینات کرے

بلوچ نیشنل فرنٹ

پاکستان کی بلوچستان میں موجودگی عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے بلوچ قوم کی آزادی کو تسلیم کیا جائے، ترجمان

کوئٹہ (پ ر) بلوچ نیشنل فرنٹ کے ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اقوام متحدہ بلوچستان میں براہ راست مداخلت کر کے اپنا امن فوج تعینات کرے۔ بلوچستان ایک آزاد ریاست تھی جسے قبضہ کر کے نوآبادی بنا دیا گیا ہے بلوچستان میں جاری ظلم و جبر، فوجی کاروائیاں، لوگوں کو جبری طور پر لاپتہ کرنا، مسخ شدہ لاشیں پھینکنے سمیت تمام تر انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں اسی حقیقت سے جڑی ہیں کہ پاکستان بلوچ سرزمیں پر قابض ہے اور پاکستان کی بلوچستان میں موجودگی عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے اقوام متحدہ سمیت عالمی دنیا اگر اس خطے میں انسانی حقوق کے حوالے سے سنجیدہ ہے اور اس خطے کو بھی پر امن دیکھنا چاہتا ہے تو انہیں بلوچستان میں مداخلت کر کے پاکستان کی قبضہ گیر پالیسیوں کو روکنا ہوگا۔ اقوام متحدہ کی ورکنگ گروپ کا دورہ بلوچستان خوش آئند ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ بھی بلوچ سرزمیں پر موجود قبضہ گیر پاکستان کی بلوچ قومی نسل کشی سے چشم پوشی اختیار نہیں کر پا رہا اور وہ اس خطے میں امن و انصاف دیکھنا چاہتا ہے لیکن پاکستان جیسے غیر مہذب ریاست کے اپنے مسلح افواج کے ساتھ بلوچستان میں موجودگی سے بلوچستان سمیت اس پورے خطے میں امن انصاف اور انسانی حقوق کی پابندی کبھی بھی ممکن نہیں ہوگی جس طرح اقوام متحدہ کا ورکنگ گروپ بلوچستان میں آکر صورتحال کا جائزہ لے رہا ہے اسی طرح ہم اقوام متحدہ سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بلوچستان میں مداخلت کرتے ہوئے اقوام متحدہ کا امن فوج تعینات کرے اور عملی اقدامات کرتے ہوئے بلوچستان میں پاکستان کے مظالم کو روکے جو اس نے اب تک انسانی حقوق کے تنظیموں کی طرف سے بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں پر مسلسل رپورٹوں کی اشاعت کے بعد بھی نہیں اٹھایا ہے۔ جس طرح اقوام متحدہ نے کوسوو میں مداخلت کر کے وہاں کے لوگوں کو ظلم و جبر سے نجات دلانے میں اپنا کردار ادا کیا تھا اسی طرح ہم بھی اقوام متحدہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ بلوچستان پر پاکستانی قبضے کا خاتمہ کرنے میں اپنا کردار ادا کرے گا پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے کبھی بھی عالمی قوانین اور انسانی آزادی کا احترام نہیں کیا پاکستان اپنے قیام کے شروع سے لیکر آج تک انسانی حقوق اور عالمی قوانین کی پامالیاں کرتا چلا آرہا ہے بلوچستان پر قبضہ ہو یا بنگالیوں کا قتل عام پاکستان نے ہمیشہ عالمی قوانین کو پیروں تلے روند کر امن پسند اور آزادی پسند دنیا کو چیلنج کیا ہے ان سب حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم پاکستان سے کبھی بھی یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ وہ اقوام متحدہ یا عالمی قوانین کا احترام کرے گا بلوچستان میں امن اور آزادی تب ہی ممکن ہوسکتی جب قبضہ گیر ریاست پاکستان کو بلوچستان سے نکال کر بلوچ قوم کی آزادی کو تسلیم کیا جائے۔

کوئٹہ (پ ر) بلوچ نیشنل فرنٹ کی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا ہے کہ پنجگور کے علاقے پروم میں گزشتہ 3 روز سے سرچ آپریشن جاری ہے جس دوران ایف سی کے اہلکاروں نے گھروں میں گھس کر عورتوں اور بچوں پر تشدد کی ہے جبکہ گھروں میں موجود نقدی اور زیورات اپنے ساتھ لے گئے ہیں متعدد علاقے اب بھی محاصرے میں ہیں علاقے میں ایک بڑے فوجی آپریشن کی تیاری کی جارہی ہے پروم کے علاقوں کلگ کور، جاہین، نوک بند، غریب آباد، رحیم آباد سمیت قریب کے تمام آبادیاں فورسز کے محاصرے میں ہیں گزشتہ روز کلگ کور میں ایف سی کے اہلکاروں نے متعدد گھروں میں گھس کر توڑ پھوڑ کی اور عورتوں اور بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جبکہ نقدی اور زیورات اپنے ساتھ لے گئے جبکہ کلگ کور سمیت پروم کی تمام آبادی تا حال محاصرے میں ہے علاقے میں گزشتہ 3 روز سے ایف سی کی باری نفری موجود ہے جو کہ علاقے کو مکمل گھیرے میں لیئے ہوئے ہے علاقے میں مقامی آبادی کو مسلسل حراساں کیا جارہا پورے آبادی میں خوف و ہراس کا ماحول ہے۔ لوگوں کے آنے جانے سے روکھا جارہا ہے جبکہ علاقے میں زندگی مکمل طور پر مفلوج ہوچکی ہے اہلکار علاقے میں مسلسل گشت کر رہے ہیں پورے علاقے میں ایک بہت بڑے آپریشن کی تیاری کی جارہی ہے بلوچستان بھر میں ایف سی اور خفیہ اداروں کی کاروائیاں شدت اختیار کرتی جارہی ہیں فورسز اپنی پے در پے ناکامیوں کو چھپانے کیلئے مسلسل مقامی آبادی کو برائے راست اپنی کاروائیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں لیکن اپنی تمام تر ظلم و ستم کے باوجود پاکستانی فورسز اور خفیہ اداروں کو ناکامی کا سامنا ہے بلوچ قومی آزادی کے خلاف مراعات پیکیجز اور اپنے گماشتہ سیاسی جماعتوں کو استعمال کرنے کے باوجود قومی آزادی کی تحریک عوامی حمایت اور بین الاقوامی توجہ حاصل کر چکی ہے جبکہ پاکستان بلوچستان میں مسلسل ناکامیوں کا شکار ہو رہا ہے اقوام متحدہ کی جانب سے لاپتہ بلوچوں کے معاملے میں اقدام ایک مثبت قدم ہے جس سے بلوچ قوم کے موقف کی تائید ہوتی ہے جبکہ پاکستانی اداروں کی جانب سے حقائق سے چشم پوشی اور مسلسل جھوٹ کا سہارا لیا جارہا ہے جس کا پول کھل رہا ہے اور ان کی حقیقت دنیا کے سامنے آشکار ہو رہی ہے اقوام متحدہ کی جانب سے لاپتہ افراد کے معاملے پر اقدام اور بلوچستان میں پاکستانی الکشن کی ناکامی کے واضح امکانات سے پاکستانی فورسز اور ان کے گماشتے حواس باختگی کا شکار ہو چکے ہیں۔ پاکستان کے گماشتہ پارٹیاں این پی، بی این پی مینگل اور بی این پی عوامی اپنی ختم ہوتی وجود کو بچانے کیلئے اور اپنے آقاوں کو تحفظ دینے کیلئے بلوچستان میں پارلیمانی الیکشن کو ممکن بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں لیکن عوام کی جانب سے الیکشن سے مکمل انکار کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے ادارے اور ان کی گماشتہ جماعتیں بلوچستان میں ظلم و بربریت کو تیز کرنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن اب تحریک عوام کے ہاتھ میں ہے جنہیں کسی بھی طرح خوفزدہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے جذبہ آزادی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔